

محمد رسول الله
حضور صلی اللہ علیہ وسلم
استاد و مربی
مصنف
محدث جلیل شیخ عبد الفتاح ابو غدہ
ترجمہ
مولانا شمس الحق ندوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
Toobaa-elibrary.blogspot.com
مجلس نشریاتِ اسلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم استاد و مربّی

مصنف

محدّث جلیل شیخ عبدالفتاح ابو غدہ

ترجمہ: مولانا شمس الحق ندوی



فہرست مضامین

پیش لفظ

زیر نظر کتاب مشہور عالم دین شیخ عبد الفتاح ابو غدہ کی اپنے موضوع پر منفرد کتاب "**الرسول المعلم صلى الله عليه وسلم وأساليبه فى التعليم**" کا ترجمہ ہے، مؤلف کتاب جو بڑے پائے کے عالم ومحقق ہیں، فرماتے ہیں کہ اس موضوع پر ابھی تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی، ان کی مراد اُسوۂ رسول سے ہے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تبلیغ ودعوت کا معجزانہ اسلوب" پہلی وہ کتاب ہے جسمیں قرآن کریم کی روشنی میں انبیاء کرام کے حکیمانہ اور بلیغ انداز میں تعلیم وتبلیغ کو پیش کیا گیا، جو معلمین ومبلغین اور دعات کے لئے نہایت گرانقدر تحفہ ہے کتاب میں الوالعزم انبیاء خاص طور سے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، ایمان پوشیدہ رکھنے والے مومن کی دعوت اور خاتم الانبیاء محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز دعوت کے دو نمونے پیش کئے گئے ہیں، یہ کتاب دراصل حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ان عربی خطبات کا مجموعہ ہے جو حضرت نے دار العلوم ندوۃ العلماء کے معہد الدعوۃ والفکر الاسلامی کے مقاصد کو سامنے رکھ کر اساتذہ دار العلوم اور اس کے طلبہ کے سامنے فرمایا تھا جو "روائع من

ادب الدعوۃ "کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے تھے۔ موضوع کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر مولانا عبد اللہ عباس صاحب ندوی مدظلہ العالی حال معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء نے نہایت رواں اور سلیس زبان میں اس کو اردو میں منتقل کر دیا تھا کہ اردو داں مبلغین ودعاۃ نیز طلبہ واساتذہ اپنی مادری زبان میں اس سے پورا فائدہ اٹھاسکیں واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب تمام ورثۃ الانبیاء کے مطالعہ کی ہے کہ انہیں کے کاندھوں پر دعوت کے نازک کام کی ذمہ داری زیادہ ہے۔

اس گرانقدر کتاب کی موجودگی میں جس کا تعلق امام الرسل خاتم الانبیاء محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب قرآن حکیم سے تھا، یہ ضرورت بہرحال باقی تھی کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر پہلو سے اسوۂ کامل ہیں کے اسلوب تعلیم وتربیت کے نمونے یکجا کر دیئے جائیں، جو تعلیم وتربیت کا کام کرنے والوں کے لئے روشنی کے مینار کا کام دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہر اعتبار سے اسوۂ کامل تھی، لہٰذا اسلوب تعلیم وتربیت کا پہلو بھی اپنے پورے جمال وکمال کے ساتھ امت کے لئے سنگ میل کا کام کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کے مراتب کو بہت بلند فرمائے کہ اپنے دیگر علمی وتحقیقی کاموں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طریقہ تعلیم وتربیت سے متعلق احادیث کے منتخب ترین حصہ کو جمع کر دیا جو بالخصوص علماء اور اساتذہ ومعلمین کے لئے نہایت قیمتی تحفہ ہیں۔

راقم سطور اس نعمت عظیمہ پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس نہایت قیمتی کتاب

کے ترجمہ کی توفیق دی سراپا شکر وسپاس ہے، یہ ترجمہ تعمیر حیات میں درس حدیث کے عنوان سے بالاقساط شائع ہوتا رہا جس پر ہمارے بہت سے قارئین نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے، چنانچہ اب اس کو کتابی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، اصل کتاب میں شیخ نے کچھ تشریحی اور تحقیقی حواشی بھی دیئے ہیں چونکہ کتاب کو عام فہم انداز میں پیش کرنا تھا اس لئے تحقیقی حواشی کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لیکن جن حواشی کا تعلق حدیث کی تشریح سے تھا ان کو ترجمہ کے ساتھ شامل کر لیا گیا ہے۔

کتاب بالخصوص اساتذہ ودعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قیمتی تحفہ ہے۔

(مولانا) شمس الحق ندوی

استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ارشادِ ربانی ہے: **هو الذى بعث فى الأميين رسولاً منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة.**

ترجمہ: وہی وہ ذات ہے جس نے ان پڑھ قوم میں ان میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا، جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "**إنما بعثت معلماً**" (مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے)

تعلیم امت کا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنیادی فرائض منصبی میں سے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست صحابہ کرام کو تعلیم دی، اور بالواسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کے معلم ہیں، یہ سیرت نبوی کا وہ اہم گوشہ ہے جس پر سیرت نگاروں نے روشنی ڈالی ہے، اور کتب سیرت میں اس موضوع پر خاصا مواد ملتا ہے، لیکن ہمارے علم میں ایسی کوئی کتاب نہیں تھی جس

میں خالص اس پہلو کو اجاگر کیا گیا ہو، اور اس کے مختلف گوشوں کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہو، بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس موضوع پر مشہور عرب عالم اور محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے قلم اٹھایا، وہ علوم نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام سے فیض یافتہ اور اس کے داعی وترجمان تھے، وہ ایک طرف صاحب ذوق اور صاحب نظر معلم حدیث نبوی شریف تھے تو دوسری طرف دعوت اسلامی کے علمبرداروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، اپنی زاہدانہ زندگی میں وہ سلف کی یادگار تھے، انھوں نے اس موضوع کا حق ادا کیا، اور "الرسول المعلم" کے نام سے اس موضوع پر کتاب ترتیب دی، جس سے بڑا فائدہ پہونچا۔

اردو داں طبقہ کے لئے اس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس عربی کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالا جائے، ہمارے لئے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مدیر "تعمیر حیات" عزیز القدر مولوی شمس الحق ندوی جو متعدد اہم اور ضخیم کتابوں کا اردو میں ترجمہ کر چکے ہیں اور ان کو اس کا تجربہ ہے، انھوں نے اس کام کو بڑے سلیقے سے انجام دیا، اور اب وہ طباعت کے مرحلہ میں ہے، میں یہ چند سطریں لکھ کر اس مبارک عمل میں شریک ہوتا ہوں، اور ان کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور امید کرتا ہے کہ اس سے نفع اٹھایا جائیگا، اللہ تعالیٰ اس کو مقبول فرمائے، اور مصنف اور مترجم دونوں کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

(مولانا) محمد رابع ندوی
ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مؤلف کتاب شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کے مختصر حالات

شیخ کا پورا نام: عبدالفتاح بن محمد بن بشیر ابوغدہ ہے شام کے مشہور تاریخی شہر حلب میں پیدا ہوئے۔ شیخ کے خاندان کا شجرۂ نسب جلیل القدر صحابی حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

شیخ کی تعلیم کا آغاز ایک پرائیویٹ غیر سرکاری مدرسہ سے ہوا اور پھر ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۲ء تک مدرسہ خسرویہ نامی ایک سرکاری مدرسہ میں زیر تعلیم رہے اور چھ سال کی اس مدت میں اپنے تمام رفقاء درس میں ممتاز رہے اور حلب میں نوعمری ہی سے آپ کی سلامتی طبع وصلاح کا غلغلہ بلند ہوا جدھر جاتے رشک کی نظر سے دیکھے جاتے۔

شیخ کے ممتاز و نامور اساتذہ میں مؤرخ حلب علامہ راغب طباخؒ، علامہ احمد زرقاؒ، علامہ محمد الرشیدؒ، شیخ نجیب سراج الدینؒ، شیخ احمد کردیؒ اور عارف باللہ وفقیہ راسخ شیخ عیسیٰ بیانونیؒ، فقیہ العصر استاذ مصطفیٰ زرقاؒ اور شیخ محمد

سلقینی ہیں۔

۱۹۴۳ء میں شیخ مزید سلسلہ تعلیم جاری رکھنے کیلئے مصر تشریف لے گئے، اور جامع ازہر کے کلیۃ الشریعہ میں داخل ہوئے، جامع ازہر کے خاص اساتذہ میں شیخ محمود خلیفہ، شیخ عبدالرحیم فرغلی، شیخ عبدالرحیم کشکی، علامہ محمد خضر حسن تونسی، (جو بعد میں شیخ الازھر کے منصب پر فائز ہوئے) علامہ محمود شلتوت (شیخ الازھر) علامہ یوسف دجوی جیسے چوٹی کے علماء شامل ہیں۔

کلیۃ الشریعہ کے اساتذہ کے علاوہ دیگر نامور علماء کے درس و بیان میں بھی کبھی کبھی شریک ہوتے رہے جس میں استاذ عبدالوہاب خلاف اور استاذ عبدالوہاب حمودہ بڑے لائق و فائق لوگوں میں سے تھے۔

۱۹۴۸ء میں شیخ کلیۃ الشریعہ سے فارغ ہوئے اور عالمیت کی سند لی، اور پھر ازہر ہی کے تابع کلیۃ اللغۃ العربیہ میں اُصول تدریس سے متعلق تخصص میں دو سال کیلئے داخلہ لیا۔

شیخ نے مصر کے زمانہ قیام میں حصول علم و استفادہ کو اساتذہ ازہر میں محدود نہیں رکھا بلکہ چوٹی کے دیگر علماء سے بھی کسب فیض کیا جن میں امام شیخ مصطفیٰ ترکی سے فلسفہ و حکمت میں اور حدیث کے مشہور عالم عبداللہ غماری مغربی، علامہ احمد محمد شاکر اور علامہ جلیل محمد زاہد کوثری سے فائدہ اٹھایا خصوصاً آخر الذکر سے۔

شیخ نے مصر جاتے ہی شیخ حسن البناء سے بھی رابطہ قائم کیا اور ان کے

دبستان سے قریب ہوکر اپنے فکر، اجتماعی مزاج اور جہاد کے ولولہ کو پروان چڑھایا شیخ حسن البناء کے حادثہ شہادت تک پابندی سے ان کے درس میں شریک رہے۔

۱۹۵۰ء میں شیخ مصر کے علمی سرچشموں سے سیراب ہوکر شام واپس آئے اور ۱۹۵۱ء میں جب وزارت تعلیم کی طرف سے علم الادیان اور ثقافت اسلامیہ کا موضوع پڑھانے کیلئے اعلان کیا گیا تو شیخ انٹرویو میں اول نمبر سے کامیاب ہوئے اور پھر گیارہ سال تک مسلسل حلب کے مدارس میں ثقافت و تربیت اور دیگر دینی موضوعات کے استاذ کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے نیز استاذ بیانونی کے ساتھ مل کر اس کی چھ کتابیں بھی تیار کیں۔

اس کے بعد کلیۃ الشریعہ دمشق میں بحیثیت استاذ فقہ بلائے گئے اور تین سال تک مذہب حنفی، فقہ مقارن (تقابلی مطالعہ) اور اُصول فقہ پڑھاتے رہے لیکن ۱۹۶۵ء میں ملک شام کے سنگین حالات اور اخوان المسلمین پر حکام کے ظلم و استبداد کے سبب مجبوراً ترک وطن کر کے قطر آگئے، وہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد سعودی عرب منتقل ہوگئے، جہاں جامعۃ الامام محمد بن سعود کے کلیۃ الشریعہ میں بحیثیت استاذ حدیث درس حدیث کا کام شروع کیا اور جامعہ کے شعبہ شریعت اور قضاء کے دوسرے شعبہ المعہد العالی للقضاء میں بارہ ۱۲ سال اور پھر کلیۃ اُصول الدین کے دراسات علیا میں دس ۱۰ سال حدیث اور دیگر علوم شریعت بھی پڑھاتے رہے، اس طرح مسلسل ۲۳ سال تک اسی جامعہ سے

متعلق رہے، اور جامعہ کے ذمہ داروں نے ان کے ساتھ نہایت اعزاز واکرام
کا معاملہ کیا، شیخ جامعہ کی مجلس علمی کے رکن بھی رہے، اور اخیر میں ۱۴۰۹ھ اور
۱۴۱۰ھ دو سال کیلئے جامعۃ الملک سعود (جامعۃ الریاض) کے کلیۃ الشریعہ میں
حدیث شریف اور دیگر شرعی علوم پڑھانے کیلئے تقرری ہوئی۔ اس کے بعد
تدریس سے معذرت کردی اور تصنیف وتالیف اور تحقیقی کاموں کیلئے یکسو
ہوگئے، لیکن اسفار اور اجتماعی کاموں کا سلسلہ بدستور جاری رہا، بحیثیت استاذ
زائر دیگر ممالک کی جامعات میں محاضرات کیلئے سفر فرماتے رہے، ۱۳۹۰ھ
میں سوڈان کی جامعہ ام درمان اور ۱۹۹۶ء میں یمن کی جامعہ صنعاء کی طرف
سے بلائے گئے اور ۱۳۹۹ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اُصول حدیث
کے موضوعات پر درس وتقریر کا اہتمام کیا گیا اور طلبہ واساتذہ نے پوری
عقیدت ویکسوئی کے ساتھ فائدہ اٹھایا، شیخ بڑے رقیق القلب تھے دوران
درس اکثر گریہ طاری ہوجاتا تھا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی
جس کا راقم سطور نے خود مشاہدہ کیا ہے اور شیخ کے درس میں حاضری کی
سعادت حاصل کی ہے۔

شیخ مکہ مکرمہ کے رابطہ عالمی اسلامی کے رکن بھی تھے ۱۴۱۰ھ میں
سلطان حسن بلقیہ ۔ سلطان برونائی بین الاقوامی ایوارڈ آکسفورڈ یونیورسٹی
لندن کے لئے بھی شیخ کا انتخاب ہوا۔

شیخ ذہانت وفطانت کے ساتھ اپنے عہد کے بے مثال محقق اور علم

دوست تھے ان کو علم سے والہانہ محبت اور فن تحقیق سے گہری مناسبت تھی، علم
ومطالعہ ان کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔

شیخ کی علمی خدمات وتحقیقات مختلف موضوعات کو سموئے ہوئے
ہیں۔ لیکن حدیث شریف سے آپ کا شغف غیر معمولی تھا، حدیث شریف میں
پوری دستگاہ کے باوجود سیری نہ ہوتی تھی اس کے لئے انھوں نے ہندو پاک کے
علماء کی خدمت میں حاضری دی، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا یوسف بنوریؒ، شیخ الحدیث
حضرت مولانا زکریاؒ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ جیسے مشاہیر واکابر کی خدمت
میں بھی حاضر ہوئے اور استفادہ کیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی
ندویؒ سے غیر معمولی محبت وعقیدت کا تعلق رکھتے تھے، کئی ہندوستانی علماء کی
کتابوں پر شیخ نے تحقیق کی شیخ کے علم میں گہرائی وگیرائی تھی جس کی وجہ سے
توسع اور اعتدال کی دولت سے بھی بہرہ ور تھے اسی لئے ایسے کام کرنے والے
تمام مکاتب فکر کے لوگوں سے ربط رکھتے تھے، شیخ کو فرنگی محل لکھنؤ کی عالمی
شہرت کی حامل شخصیت علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ سے بڑی عقیدت تھی، ان کی
ایک کتاب کی شرح بھی کی ہے۔ ان کی تصنیفات کلیدی اور حوالہ جاتی حیثیت
رکھتی ہیں[1] ان کے انتقال کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ''ناقابل
تلافی نقصان قرار دیا۔ فرمایا علم حدیث کو خاص طور سے غیر معمولی نقصان
پہنچا ہے اور ہمارے محدود علم میں پورے عالم اسلام میں ان کی نظیر نہیں پائی

[1] شیخ ستر سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔

جاتی تھی"، شیخ کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے بڑا گہرا لگاؤ اور انس تھا وہ حضرت مولانا کو اپنا شیخ و مربی سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء فرماتے ہیں "حدیث شریف میں وہ عالم اسلام میں سند کی حیثیت رکھتے تھے" شیخ اپنے ان سارے کمالات کے ساتھ نہایت متواضع اور زہد وتقویٰ کے بلند مقام پر تھے۔ اپنی ان ساری خوبیوں کے ساتھ بیدار مغز اور سیاسی بصیرت کے بھی مالک تھے وہ اس راہ میں قید وبند کے دور سے بھی گذرے الیکشن جیت کر ممبر پارلیمنٹ بھی بنے مگر علم دوستی اور زہد وتقویٰ نے کہیں ساتھ نہیں چھوڑا۔

کئی ندوی فضلا کو شیخ کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ڈاکٹر محمد لقمان اعظمیؒ، مولانا سید محمد سلمان حسینی ندوی، ڈاکٹر علی احمد ندوی، ڈاکٹر اقبال مسعود ندوی، مولانا سعید مرتضیٰ ندوی شیخ کے خاص شاگردوں میں ہیں، چنانچہ مضمون کا بڑا حصہ شیخ کے شاگرد ارشد ڈاکٹر علی احمد ندوی کے مضمون سے مستفاد ہے جو تعمیر حیات میں شائع ہوا تھا، ندوہ میں شیخ کے انتقال پر جو تعزیتی جلسہ ہوا تھا اس سے بھی معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ مترجم کو ریاض میں شیخ سے ملنے اور ندوہ میں استفادہ اور ان کی مذکورہ بہت سی خصوصیات کے مشاہدہ کا شرف حاصل ہے۔ شیخ کی زیر نظر کتاب اپنے موضوع پر شاید پہلی کتاب ہے جسمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوہر تعلیم وتربیت کو پیش کیا گیا ہے۔ کتاب نہ صرف اساتذہ وطلبہ بلکہ دعوتی کام کرنے والوں کے لئے رہبر (گائڈ بک) کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت استاذ ومربی

قرآن کریم نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بحیثیت معلم ومربی کے فرمایا ہے، قرآن کریم نے صاف صاف فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں اور پوری انسانیت کے لئے اپنے پڑھے لکھے نہ ہونے اور صحراء کے ماحول میں پروان چڑھنے کے باجود، استاذ ومربی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور انھیں (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

دوسری جگہ فرمایا

﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾

ترجمہ:۔ اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور (اس بات کا) خدا ہی گواہ کافی ہے۔

ایک اور آیت میں فرمایا

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

ترجمہ:۔ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تم کو تمام لوگوں کیلئے خوش خبری سنانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استاذ و معلم اور روشن ضمیر رہبر ہونے کا ثبوت سنت سے بھی ثابت ہے، سنت مطہرہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استاذ و معلم اور ماہر روشن ضمیر رہبر ہونے کو ثابت کیا ہے۔

ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور دارمی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے فرمایا: ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے، آپ کیا دیکھتے ہیں کہ مسجد میں دو حلقے لگے ہوئے ہیں ایک حلقہ قرآن پڑھنے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں مصروف ہے، اور دوسرا حلقہ علم سیکھنے اور سکھانے میں لگا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں ہی حلقے اچھے ہیں، یہ لوگ قرآن کی تلاوت اور دعا میں لگے ہوئے ہیں، اللہ چاہے دے، چاہے نہ دے اور یہ دوسرے حلقہ والے علم سیکھ اور سکھا رہے ہیں اور میں معلم و استاذ بنا کر بھیجا گیا ہوں، چنانچہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم اس حلقہ میں بیٹھ گئے۔

امام مسلم نے اپنی کتاب کے باب کتاب الطلاق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کو اختیار دینے کے واقعے میں جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شروع فرمایا ہے اور حضرت عائشہ نے (دنیا کی زیب و زینت کو ٹھکرا کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو منتخب فرمایا، اور خواہش ظاہر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کی اس پسند کو دوسری ازواج مطہرات پر ظاہر نہ فرمائیں، اس وقت حضور صلی اللہ عیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے مجھ کو کسی کو مشکل میں ڈالنے والا بنا کر نہیں مبعوث فرمایا ہے اور نہ ہی دوسرے کی لغزش پر تکلیف کا خواہاں رہنے والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مبہم جواب دینے اور حضرت عائشہ سے صراحت کیساتھ کہنے اور ناراضگی ظاہر کرنے سے احتیاط برت کر یہ واضح فرما دیا کہ تعلیم و تربیت کی حکیمانہ صورت یہ ہے کہ استاذ طالب علم کی کج خلقی پر ڈانٹنے، بگڑنے کے بجائے نرمی اور اچھی مثال کے ذریعہ سمجھائے، جہاں تک ممکن ہو صراحت سے کام نہ لے بلکہ محبت و شفقت کے ساتھ استعارہ و کنایہ سے کام لے۔ اس لئے کہ صراحت رعب کا پردہ اٹھا دیتی ہے اور طالب علم میں ہمت و جرأت پیدا کر دیتی ہے اور وہ مخالفت پر اتر آتا ہے۔

مسلم میں معاویہ بن حکم سلمیؓ سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں ایک شخص کو چھینک آئی میں نے

چھینک سن کر "یرحمک اللہ" کہا (میرے اس کہنے) پر لوگ مجھ کو گھور گھور کر دیکھنے لگے، میں نے کہا، حیرت ہے تم لوگ کیوں مجھ کو اس طرح دیکھ رہے ہو؟ (ہماری بات سن کر) وہ لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے۔ جب میں نے محسوس کیا کہ مجھ کو خاموش کررہے ہیں تو میں چپ ہوگیا۔

پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو مجھ کو بلایا، قربان جائیں آپ پر میرے ماں باپ، ہم نے نہ آپ سے پہلے ایسی (حکیمانہ) تعلیم دینے والا دیکھا نہ آپ کے بعد، خدا کی قسم نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا، نہ برا بھلا کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو نماز میں کسی طرح کی بات نہیں کی جاتی۔ نماز میں تو اللہ تعالیٰ کی پاکی، اس کی بڑائی بیان کی جاتی ہے، قرآن پڑھا جاتا ہے۔ (نماز میں چھینکنے والے کا جواب دیا جاتا ہے، نہ سلام کا جواب دیا جاتا ہے نہ ہی کسی سائل کے سوال کا جواب دیا جاتا ہے کہ یہ سب باتیں نماز کو باطل کردیتی ہیں)۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بلند اخلاق کو پیش کرتی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناواقف کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں، اپنی امت کے سامنے شفقت ونرمی کا اسوہ پیش کرتے ہیں۔

حدیث ہم کو بتاتی ہے کہ ناواقف کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے، اچھے انداز سے اس کو سکھایا بتایا جائے، نرمی سے پیش آیا جائے، اور اخلاق کریمہ کے ذریعہ صحیح بات سے اس کو مانوس وقریب کیا جائے۔ انھیں اخلاق کریمانہ کا اثر تھا کہ عرب

کے سنگ دل، تند خو، مزاجوں کے شدید فرق واختلاف کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کس طرح سنبھالا اور ان کی عادتوں کو بدلا، آپ نے ان کے ظلم وستم کو برداشت کیا، ان کی ایذا رسانی کو جھیلا حتیٰ کہ وہ آپ کے تابع ہوگئے، عاشقانہ ومحبانہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوگئے مقابلہ میں اپنے عزیز ترین لوگوں کے ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان سے جنگ کی، اگرچہ مقابلہ میں ان کے باپ، بیٹے، بھائی اور خاندان کے لوگ تھے لیکن انھوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑے، یہ سب کچھ اس وقت ہوا جبکہ آپ نہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے اور نہ ہی پہلے لوگوں کی کتابیں پڑھی تھیں، نہ عہد ماضی کے اساتذہ ومربیوں کے حالات سے واقف تھے، جو شخص بھی تعصب کی عینک اتار کر اس پر غور کرے گا، وہ بے تکلف اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم استاذ ومربی اور خدا کے بھیجے ہوئے رسول برحق تھے، اور حقیقی معنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے عالم کے قائد وسردار تھے، عربوں کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے کارلائل لکھتا ہے: عرب ایسے لوگ تھے جو صحراء کی زندگی گذار رہے تھے کبھی یہاں کبھی وہاں خیمے لگاتے تھے، دنیا کی قوموں کے سامنے یہ کسی شمار میں نہ تھے، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ان کی تربیت فرمائی تو وہ اپنے علم وعرفان سے نگاہوں کا مرکز بن گئے، تعداد میں تھوڑے تھے اور بڑھ کر جم غفیر بن گئے ذلیل تھے عزت وشرف کے مالک بن گئے، ایک صدی بھی نہیں گذرنے پائی تھی کہ ان کے علم وعقل سے دنیا کا کونہ کونہ روشن ہوگیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے معلمانہ کمال کی تاریخی حیثیت

اس سے قبل قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معلمانہ ومربیانہ حکمت وتدبیر پر جو روشنی ڈالی گئی تھی تاریخ نے اس کا کیا ثبوت پیش کیا وہ آئندہ سطروں سے بخوبی واضح ہوگا۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کی تاریخ نے یہ آئینہ کی طرح واضح کردیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے مثال معلم تھے، (وہ معلم جو قیامت تک کے آنے والے معلموں کے لئے نمونہ ہو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انسانیت کا کیا حال تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد وہ کس بلندی پر پہونچی اس پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ آپ کی آمد نے دینائے انسانیت میں عظیم انقلاب پیدا کردیا۔

اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بنی نوع انسان نے تعلیم ورہنمائی کے جو نمونے دیکھے ہیں اس کا سرسری جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ نمونے اس مربی بے مثال کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔ جس کے سامنے وہ

تمام بڑے بڑے لوگ جن کی شہرت ہے اور جن کا تعلیم وتربیت کے میدان اور اسکی تاریخ میں ذکر آتا ہے بونے نظر آتے ہیں۔

دینا کی تاریخ میں کون سا ایسا استاذ ومربی گذرا ہے جس کے ہاتھوں اتنی بڑی اور راست باز تعداد میں لوگ تیار ہوئے ہوں جتنی بڑی تعداد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے ذریعہ تیار ہوئے، جن لوگوں کی تربیت آپ کے ہاتھوں ہوئی وہ آپ کی بعثت سے قبل کیا تھے اور پھر کیا ہوگئے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

ان میں کا ایک ایک فرد اس مربی کامل اور اس کی عظمت شان کا زندہ وجاوید ثبوت پیش کرتا ہے، آپ کی تربیت کے یہ نمونے ایک بڑے ماہر قانون کے اس بہترین قول کو یاد دلاتے ہیں (اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے علاوہ جو عمل کے پیکر تھے کوئی اور معجزہ نہ ہوتا تو ان اصحاب رسول کا وجود آپ کی نبوت کے ثبوت کے لئے کافی تھا[1]

---

[1] اس قول کو امام قرافی نے اپنی کتاب الفروق میں ذکر کیا ہے۔

غیر فصیح زبان کو مٹانے پر آمادہ کرنا

تھوڑی سی مدت میں آپ کے دست مبارک سے اتنی بڑی تعداد کا وجود میں آنا قیاس وگمان سے باہر ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی تعلیم دینے کا ایسا طریقہ اپنایا کہ جو سکھے اس میں سکھانے کے لئے نکل پڑنے کا داعیہ بھی پیدا ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو عامی زبان قطعاً چھوڑ دینے پر آمادہ فرمایا، ان کو اس پر ابھارا اور اس کا شوق پیدا کیا، اس سلسلہ میں سستی برتنے سے سختی کے ساتھ ڈرایا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ حصول علم کی طرف متوجہ ہو گئے اور دین کا فہم پیدا کرنے لگے اور ایک دوسرے کو سکھانے لگے، حتی کہ تھوڑی سی مدت میں عامی زبان کو ختم کر دیا۔

حافظ منذریؒ نے اپنی کتاب ''ترغیب وترہیب'' میں علم کے بیان میں (علم چھپانے سے ڈرانے کے بیان میں لکھا ہے، اور اسی طرح ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' کے اندر کتاب العلم میں ''جو نہ جانے اس کو سکھانے کے باب میں'' ذیل

کی حدیث ذکر کی ہے۔[۱]

علقمہ بن سعد بن عبدالرحمٰن بن اَبزیٰ نے اپنے والد اور دادا عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تقریر فرمائی، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد بعض مسلمان جماعتوں کا ذکر فرمایا اور ان کی خوبیوں کی تعریف فرمائی، پھر فرمایا: ایسے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو اپنے پڑوسیوں کو دین نہیں سمجھاتے؟ اور نہ ان کو تعلیم دیتے ہیں، نہ ان کو سمجھاتے ہیں، نہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں، نہ برے کاموں سے روکتے ہیں[۲] لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو اپنے پڑوسیوں سے سیکھتے نہیں، اور نہ دین کی سمجھ حاصل کرتے ہیں، نہ سوجھ بوجھ پیدا کرتے ہیں؟

خدا کی قسم کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں کو ضرور سکھائیں گے اور ان کو دین سمجھائیں گے، ان کے اندر فہم پیدا کریں گے، ان کو نیکیوں کا حکم دیں گے، برائیوں سے روکیں گے، اور یقیناً وہ ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے پڑوسیوں سے سیکھیں گے، دین کی سمجھ پیدا کریں گے، اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو میں ان کو جلد ہی دنیا میں ضرور سزا دوں گا۔ اس کے بعد آپ منبر شریف سے اتر آئے اور حجرہ شریف میں تشریف لے گئے، کچھ لوگوں نے کہا، آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے کون لوگ مراد ہیں، کچھ لوگوں نے کہا ہمارا خیال ہے کہ اشعری مراد ہیں کہ وہ سمجھدار لوگ ہیں اور ان کے کچھ پڑوسی ہیں جن کے پاس پانی ہے، دیہات کے رہنے

---

[۱] ترغیب وترہیب، مجمع الزوائد اور کئی لوگوں کی تخریج کا ذکر ہے۔ [۲] ترغیب میں ''یعظون'' کا لفظ ہے۔

والے ہیں لیکن بڑی زیادتی کرنے والے ہیں، اشعریوں کو اس کی خبر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے کچھ لوگوں کا ذکر خیر کے ساتھ فرمایا، اور ہم لوگوں کا ذکر برے انداز میں فرمایا ہم میں کیا کمزوری ہے؟

آپؐ نے فرمایا، کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں کو دین کے احکام بتائیں، ان کے اندر دین کا فہم پیدا کریں، بھلی باتوں کا حکم دیں، بری باتوں سے روکیں، ضروری ہے کہ لوگ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں، دین کی سمجھ پیدا کریں، دینی احکامات معلوم کریں ورنہ میں سزا دوں گا۔

ان لوگوں نے کہا، اللہ کے رسول! کیا ہم دوسروں کو سمجھائیں؟ جواب میں آپؐ نے پھر اپنی بات دہرائی، انھوں نے پھر عرض کیا، کیا ہم دوسروں کو سمجھائیں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات دہرائی۔

ان لوگوں نے کہا ہمیں ایک سال کی مہلت دیجئے، آپؐ نے ان لوگوں کو ایک سال کی مہلت دی، کہا ان کو دینی باتیں بتائیں، سکھائیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ☆ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ☆﴾ (مائدہ-۷۸-۷۹)

ترجمہ:۔ جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤدؑ اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (اور) برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔ بلاشبہ وہ برا کرتے تھے۔

علامہ مصطفیٰ زرقاء نے اپنی کتاب (المدخل الفقہی العام) میں اس حدیث پر حاشیہ لکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے "دین سیکھنے اور سکھانے میں کوتاہی برتنا ایک اجتماعی جرم ہے، اس کے مرتکب کو سزا دی جائے گی، یہ ایسا اسلامی حکم ہے کہ تاریخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور بعد علم کے مقدس ہونے اور حصول علم ضروری قرار دینے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

دینی باتوں میں لاپرواہی جن میں علم سیکھنا اور سکھانا بھی شامل ہے باعثِ گناہ اور تنبیہی کارروائی کی سزاوار بنا دیتی ہے، اگر عالم دین تعلیمی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا یا نہ جاننے والا بقدر ضرورت مسائل سیکھنے میں کوتاہی کرے گا تو دونوں ہی سزا کے مستحق ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علم طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"[1] اس حدیث میں مسلم کا لفظ مرد و عورت دونوں کے لئے ہے، اس لئے کہ دین اسلام کا علم دونوں ہی میں مشترک ہے۔ یہ تفصیلات شیخ مصطفیٰ زرقاء نے بیان کی ہیں۔

طلب علم فرض ہونے کے سلسلہ میں مزید وضاحت یہ ہے کہ جب آپ صلی

---

[1] یہ حدیث مختلف طریقوں سے روایت کی گئی ہے۔

اللہ علیہ وسلم نے طلب علم کو اسلام لانے والے سے یعنی مسلمان مردوں اور عورتوں سے جوڑ دیا تو آپ کے اس ارشاد میں یہ آگاہی ہے کہ جو شخص بھی اسلام لائے اس کو علم کا حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ شریعت اسلامی میں جہالت کی کوئی گنجائش نہیں، اس کی تو ابتدا ہی پہلی وحی سے ہوئی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ☆ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ☆ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ☆ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ☆﴾

ترجمہ:۔ (اے محمد) اپنے پروردگا کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا پروردگار کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اسے علم نہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو دین نہیں سکھاتے" ان سے عالم و واقف بھائیوں کے ان پر حق کی عظمت وبڑائی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، یہ ان کے درمیان اسلامی بھائی چارگی اور اسی کے ساتھ پڑوسیوں کے حقوق کی وجہ سے ہے، اسلام میں پڑوسی کا حق اتنا بڑا ہے کہ قریب قریب اس رشتہ کے برابر ہو جاتا ہے جو میراث کا حق دار بنا دیتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں مروی ہے "حضرت جبرئیل پڑوسی کے بارے میں مجھے برابر

وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ اس کو میراث کا حق دار بنا دیں گے۔ پڑوسی کے مختلف درجے ہیں، ایک پڑوسی وہ جو بالکل ملا ہوا ہو، ایک آپسی ملاقات کا ہوتے رہنا مثلاً ایک ہی مسجد میں نماز پڑھنا، ایک مدرسہ میں رہنا، ایک محلہ میں قیام، ایک بازار میں کاروبار کرنا وغیرہ۔ میراث کی بھی دو قسمیں ہیں حسی اور معنوی، حسی جیسے مال، معنوی جیسے علم، پڑوسی پر پڑوسی کا حق ہے کہ اس کو پڑھائے اور دین کی وہ باتیں بتائے جو ضروری ہیں اور ان سے اس کا فائدہ ہوگا اور سب سے زیادہ فائدہ پہونچانے والی چیز علم ہے، پڑوسی کا پڑوسی پر یہ زیادہ ضروری و اہم حق ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

معلمانہ کمالات پر ایک طائرانہ نظر

ہم مسلمان جو یہ چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ وسلم جیسے معلم اول، نبی امی سے زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ کے لیے رہنمائی حاصل کریں خواہ وہ وسائل کی صورت میں ہوں یا مقاصد کی صورت میں ہوں ۔ ان کے لئے مختصر کتاب کافی نہیں اس صورت میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب تعلیم و تربیت پر ایک سرسری جائزہ ہی پیش کیا جاسکتا ہے رہے وہ اہم مقاصد جن کی طرف اس عظیم معلم و مربی نے متوجہ فرمایا ہے اس پر روشنی ڈالنے کے لیے اور بہت سے پہلو ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر کچھ کام کرنے کی توفیق سے نوازے۔

خیر کی تعلیم دینے والے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ امی تھے، نہ پڑھ سکتے تھے نہ لکھنے پر قدرت تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ عظیم علم عطا فرمایا تھا جس میں کوئی فرد بشر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادرِ روزگار یکتائے بشریت شخصیت کا مالک بنا کر انسان کی ہدایت و رہنمائی کی نعمت کی تکمیل

فرمادی اور اپنے اس ارشاد۔

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾ (نساء ۱۱۳)

ترجمہ:۔ اور تمہیں وہ باتیں سکھائی ہیں جو تم جانتے نہیں تھے۔ اور تم پر خدا کا بڑا فضل ہے۔

کے ذریعہ اظہار احسان فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں علم کی نشر و اشاعت کا کام شروع فرمادیا۔ اس دنیا میں خیر پھیلانے والے معلم کا حق تھا کہ اس کے بیان میں حسن و جمال، زبان میں فصاحت و بلاغت، گفتگو میں قوت و پختگی پائی جائے۔ انداز بیاں دلکش و شیریں ہو، اشارہ کنایہ میں لطف و محبت کی چاشنی ہو جس سے روح کو تابانی عطا ہو، کشادہ دلی اور رقت قلب پیدا ہو، شفقت و مہربانی کی فراوانی ہو، بحثیں حکمت و مصلحت پر مبنی ہو۔ ہوشیار و متنبہ کرنے کی عظیم تاثیر پائی جاتی ہو جو آپ کی ذہانت کی بلندی، بے پناہ لطف عنایت، لوگوں کے ساتھ نہایت شفقت و نرمی کی آئینہ دار ہو حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا۔ (میں تو سکھانے ہی کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں[1]

---

[1] رواہ ماجہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے غیر مفید علم سے ڈرایا ہے

آپؐ کے اسلوب وطریقۂ تعلیم کو بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بے مثال معلم کا ایک نہایت مختصر جملہ نقل کردوں جس کے ذریعہ ایسے علم سے ڈرایا ہے جو نفع بخش نہ ہو۔ یہاں تک کہ آپ نے اس کو اپنی دعا بنالیا جو اکثر اوقات مانگا کرتے تھے۔

مسلم کی روایت ہے[1] جو انھوں نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے: اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ پہونچائے[2] ایسے دل سے جو ڈرے نہیں۔ ایسے نفس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں جو آسودہ نہ ہو۔ ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔

آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم اپنے حال وزبان دونوں سے علم کی تعلیم دیتے تھے، اوپر کی مذکورہ دعا استاذ وشاگرد دونوں کے لیے ہے کہ وہی سیکھیں اور سکھائیں جس میں شریعت کے مطابق فائدہ اور نفع ہو۔

---

[1] مسلم نے اس کو کتاب ذکر ودعا میں نقل کیا ہے۔ [2] اس سے مراد وہ علم ہے جس سے خود کو اور دوسروں کو نقصان پہونچے، مثلاً بگاڑ وفساد پھیلانے والا علم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے طریقۂ تعلیم کا مختصر خاکہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ تعلیم کے بارے میں مختصراً کچھ لکھ دیں جس سے آنحضورؐ کی اس کریمانہ شخصیت کا خاکہ سامنے آجائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو عطا فرمایا ہے کہ ان کی ذات سے لوگوں کے لیے خیر وجود میں آئے اور وہ ساری انسانیت کو دین پہونچادیں۔

آپ صلی اللہ وسلم سیکھنے والے طالب علم کے لیے نہایت نرم ومہربان تھے، دشوار حکم بالکل نہ فرماتے، آسانی کو پسند فرماتے، اس کی بھلائی کے خواہاں رہتے، ہر وقت ومناسبت سے علم وبہتری کی باتیں بتاتے۔ اور نہایت اونچائی اور بلند اخلاق کی سطح سے بتاتے اور سکھاتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورہ توبہ ۱۲۸)

ترجمہ:۔ (لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔
تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے۔ اور تمہاری بھلائی کے خواہشمند
ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔

یہ حدیث بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ یہاں الفاظ بخاری کے لئے گئے ہیں۔ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم چند نوجوان ایک ہی عمر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھائیس راتیں قیام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پوری مدت میں لطف اور مہر بانی کا معاملہ فرمایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ ہم لوگوں کو اب اپنے گھر والوں کے پاس جانے کا شوق دامن گیر ہو رہا ہے۔ تو ہم لوگوں سے پوچھا تم کن لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہو۔ ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تفصیل بتائی تو فرمایا: اب اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ اور انھیں کے ساتھ رہو۔ ان کو سکھاؤ، نیکی کا حکم دو اور نماز جیسے ہم کو پڑھتے دیکھا ہے ایسے ہی پڑھتے رہو۔ جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور جو تم میں عمر دراز ہو وہ تمہاری امامت کرے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے کو امام بنانے کا حکم اس لیے فرمایا کہ علم میں سب برابر تھے کہ سب آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے)

امام ترمذیؒ نے (شمائل) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی طرح جلدی جلدی یعنی فرفر تیزی میں گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ بالکل واضح بات فرماتے، کہ ہر لفظ صاف اور

الگ الگ ہوتا۔ جو اچھی طرح سمجھ میں آتا کہ سننے والا اس کو یاد کر لیتا۔

شمائل ترمذی ہی کی روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ تین مرتبہ دہرائے تھے۔ کہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔)

شمائل ہی میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابو ہالہ سے سوال کیا کہ آپ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنائیے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ کو بہت اچھی طرح بیان کرتے تھے چنانچہ انھوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کار نبوت کی گرانباری اور اس راہ کی مشکلات کے سلسلے میں) فکر مند رہا کرتے تھے۔ برابر اس کے (جتن کی) سوچ میں ڈوبے رہتے تھے، کسی طرح قرار نہ آتا تھا، دیر دیر تک سوچ بچار میں خاموش رہتے تھے۔ بلا ضرورت گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ اللہ کے نام سے بات شروع فرماتے اور اسی پر ختم فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے جامع جملے بولتے تھے کہ جن کے الفاظ کم ہوتے، اور معنی بہت ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو نہایت واضح اور اچھی طرح سمجھ میں آنے والی ہوتی تھی۔ الفاظ کا استعمال نہ ضرورت سے زیادہ فرماتے نہ کم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت مزاج اور درشت گو نہیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے میں حقیر و کمتر نہیں معلوم ہوتے تھے بلکہ بارعب اور صاحب وقار معلوم ہوتے تھے۔ اللہ کی نعمت خواہ کتنی چھوٹی ہو اس کی بڑی قدر فرماتے تھے، کسی نعمت کی برائی نہیں بیان فرماتے تھے، دنیا داروں کی طرح کھانے پینے کی چیزوں کی نہ برائی فرماتے نہ بہت زیادہ تعریف، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور دنیاوی چیزوں کے بارے

غصہ نہیں فرماتے تھے، لیکن جب کوئی شرعی حکم توڑا جاتا تو کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کو روک نہیں سکتی تھی حتیٰ کہ آپ اس کی سزا نہ دے دیں۔ اپنی ذات کے لیے نہ کبھی غصہ ہوتے اور نہ اس کا بدلہ لیتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے، کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہتھیلی کو پلٹ دیتے، گفتگو فرماتے تو ہتھیلی کو ملا لیتے۔ اور دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کے انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے۔ جب کسی سے ناراض ہوتے تو چہرے سے ناگواری ظاہر فرماتے اور غصہ کے سبب اس سے ملتے نہیں۔ خوش ہوتے تو نگاہیں نیچی فرما لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی ہنسی مسکراہٹ ہوتی جس میں دندان مبارک اولوں کے دانوں کی طرح بڑے حسین نظر آتے۔

ترمذی نے شمائل ہی میں حضرت حسن بن علیؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسین بن علیؓ نے فرمایا میں نے اپنے والد علی بن ابی طالب سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس کے لوگوں کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے تو انھوں نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ بشاشت، حسن اخلاق اور لطف و مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے، نہ ترش روی سے پیش آتے، نہ مزاجاً سخت تھے کہ آپ کو خشک اخلاق کہا جاتا۔ بہت زور سے گفتگو نہیں فرماتے تھے، نہ زبان سے گندے الفاظ نکالتے تھے، نہ تنقیص کے طور پر لوگوں کا عیب بیان فرماتے، نہ ضرورت سے زیادہ کسی کی تعریف کرتے، جن باتوں یا چیزوں کو پسند نہ فرماتے ایسا اظہار فرماتے جیسے وہ چیز

آپ نے محسوس ہی نہیں کی۔ یہ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ لطف و نرمی کے خیال سے ہوتا (کہ جائز بشری تقاضوں میں وہ تنگی نہ محسوس کریں) جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امید لگاتا اس کو مایوس نہ فرماتے، بلکہ اس کی امید پوری فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے اپنے کو الگ کر رکھا تھا۔ بحث و مباحثہ (چاہے درست ہی کیوں نہ ہو) ضرورت سے زائد گفتگو یا مال وغیرہ کو بڑھانا۔ بے ضرورت گفتگو کرنا۔ تین باتوں میں لوگوں کو نظر انداز فرمایا تھا۔ آپ کسی کی مذمت فرماتے، نہ خامی بیان کرتے، کسی کی پوشیدہ باتوں کو معلوم کرنے کی کوشش نہ فرماتے، گفتگو وہی فرماتے جس سے ثواب کی امید ہوتی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو اہل مجلس اس طرح سر جھکا کر غور سے آپ کی باتیں سنتے جیسے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوں یعنی بالکل خاموش چپ چاپ رہتے۔ جب سلسلہ گفتگو ختم فرماتے تب صحابۂ کرامؓ گفتگو کرتے۔ صحابہ کرامؓ اس کا خیال رکھتے کہ ایک وقت میں دو آدمی بات نہ کریں۔ ایک گفتگو کر کے خاموش ہو جاتا تو دوسرا بات شروع کرتا۔ جو شخص پہلے گفتگو شروع کر دیتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات سنتے، خواہ وہ حاضرین میں کم درجہ ہی کا آدمی کیوں نہ ہو، جن باتوں سے صحابۂ کرامؓ کو ہنسی آتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنستے، جن باتوں پر ان کو تعجب ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعجب کا اظہار فرماتے۔

کوئی اجنبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات یا سوال کرنے میں غیر مہذب انداز اپناتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو برداشت کرتے (عام طور پر دیہات سے

آنے والے بدو ایسا کرتے تھے، جو بات بھی ذہن میں آتی سوال کرنے میں جھجکتے نہ تھے) حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ جو بہت سی باتیں ادب کی وجہ سے نہیں پوچھ سکتے تھے ان لوگوں کو بلا بلا کر لاتے کہ یہ سوال کریں گے ہم کو فائدہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: جب کوئی ضرورتمند سوال کرے تو اس کو دے دو، اس کی مدد کرو۔ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعریف کو پسند فرماتے جو تعریف میں مبالغہ نہ کرے۔ کوئی گفتگو کرتا تو جب تک وہ بات کرتا رہتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے رہتے۔ الّا یہ کہ وہ زیادتی کرنے لگے۔ اور حد سے تجاوز کر جائے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو گفتگو کرنے سے زبان سے روک دیتے یا اٹھ جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام ہم نشینوں کو ان کا حق دیتے یعنی توجہ وعنایت فرماتے حتیٰ کہ ہر شخص یہی سمجھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے سب سے زیادہ محبت فرماتے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے ''شمائل'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا اس طرح ذکر کیا ہے۔ فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر ہم نشین کو اس کا حق دیتے تھے (یعنی پورا خیال فرماتے) آپ کی مجلس میں بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ مقرب وباعزت نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیکھنے اور سوال کرنے والے اور مستفید ہونے والے کی

سمجھ کے لئے بھی نہایت متواضع تھے۔

امام بخاری نے اپنی کتاب ''الادب المفرد'' میں اور امام مسلم ونسائی نے الگ الگ ابواب میں حدیث نقل فرمایا ہے کہ حمید بن بلال اور انھوں نے ابورفاعہ عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خطاب فرما رہے تھے، ابورفاعہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں ایک پردیسی آدمی ہوں جو اپنے دین کے متعلق کچھ معلوم کرنے حاضر ہوا ہے، اس کو معلوم نہیں کہ اس کا دین کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا سوال سنکر خطاب روک کر ہمارے پاس تشریف لائے، ایک کرسی لائی گئی میرا خیال ہے کہ اس کے پائے لوہے کے تھے فرماتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کرسی پر جلوہ افروز ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو علم عطا فرمایا ہے مجھ کو اس کی تعلیم دی پھر واپس تشریف لے جا کر خطاب مکمل فرمایا۔

اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع، مسلمانوں کے ساتھ نرمی وشفقت ان کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آنے کا پتہ چلتا ہے، حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء سے سوال کرنے والے کو اچھے اور مہذب انداز میں سوال کرنا چاہئے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بات دل میں کھٹکے اور معلوم نہ ہو اس کو معلوم کرنے میں جلدی کرنا چاہئے اور زیادہ ضروری بات کو مقدم کرنا چاہئے، شاید سوال کرنے والے نے پہلے ایمان اور اس کے اہم اجزاء کو معلوم کیا تھا، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص

ایمان اور اسلام میں داخل ہونے کی صورت معلوم کرنا چاہے اس کو بتانے اور سکھانے میں جلدی کرنا چاہیے۔

امام بخاری نسائی اور ابن ماجہ نے شریک بن ابی نمر سے ایک روایت نقل کیا ہے کہ انھوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا انھوں نے فرمایا: اسی اثنا میں کہ ہم لوگ مسجد میں بیٹھے تھے، اونٹ پر سوار ایک شخص (صحن) مسجد میں داخل ہوا، اور اونٹ کو باندھ دیا کہ چلا نہ جائے، پھر لوگوں سے پوچھا تم میں سے محمد کون ہے؟ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ان لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے، تو ہم لوگوں نے کہا یہ گورے شخص جو ٹیک لگائے بیٹھے ہیں وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے ابن عبد المطلب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو کیا کہتے ہو، تو اس شخص نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اور پوچھنے میں سختی برتوں گا تم اپنے دل میں مجھ پر خفا نہ ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ پوچھنا چاہو پوچھو، اس نے کہا: میں تمہارے اور تم سے پہلے جو لوگ گذرے ان کے رب کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا اللہ نے تم کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اس نے کہا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں پڑھا کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اس نے کہا تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں بتاؤ کیا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے کہ ہم سال میں ایک

ماہ رمضان المبارک کا روزہ رکھا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اس نے کہا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے تم کو حکم دیا ہے کہ ہمارے مالداروں سے صدقہ لو اور اس کو ہمارے غریبوں میں تقسیم کر دو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! تب اس شخص نے کہا تم جو کچھ لے کر آئے ہو میں اس پر ایمان لایا اور میں اپنی قوم کا نمائندہ بن کر آیا ہوں میں ضمام بن ثعلبہ ہوں جو سعید بن بکر کا بھائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی تخریج نسائی اور بغوی نے بھی کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ جب وہ شخص واپس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آدمی اچھی طرح سمجھ گیا۔

مصنف کتاب شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ فرماتے ہیں یہ سوال کرنے والا شخص کیا خوب عقلمند تھا کیسے بہترین انداز میں داخل ہوا اور اپنے سوالات سے قبل کیسی تمہید قائم کی اور اپنے سوال کے جواب کے لئے قسم دلائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمہ صداقت کا پورا اعتماد حاصل کیا، پھر جب اپنے سوالات کر چکا اور جوابات مل گئے تو اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، یہ شخص اپنی قوم کا نمائندہ تھا ان لوگوں نے اس کو بھیجا تھا، اور وہ اس کے تابع تھے، ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوۂ نبوت کی سچائی کو جاننا چاہا تھا کہ حقیقت سے واقف ہو کر ایمان لائیں، ان لوگوں کو اس شخص کی فہم و فراست پر پورا اعتماد تھا اس لئے اس کو بھیجا تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل نے ان لوگوں کو اور اس شخص کو توفیق دی اسی لئے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا، کسی قوم نے اپنا

نمائندہ ضمام بن ثعلبہ سے بہتر نہیں پایا۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، ضمامؓ بن ثعلبہ سے بڑھ کر بہتر اور مختصر سوال کرنے والا نہیں دیکھا۔

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حالت سفر میں ایک اُعرابی (دیہاتی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑلی، پھر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو وہ بات بتاؤ جو مجھ کو جنت سے قریب کرے اور جہنم سے دور کرے، راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے اور اس کے اچھے سوال پر (تعجب کے انداز میں) صحابۂ کرامؓ کی طرف دیکھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اس کو اللہ نے توفیق دی یا صحیح رہنمائی نصیب فرمائی (راوی کو شک ہوا کہ (وُفق کا لفظ فرمایا یا ھدی کا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ تعالٰی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رشتوں کو جوڑو، بس اب اونٹنی چھوڑ دو۔

چھوڑنے کا لفظ آپ نے اس لئے فرمایا کہ وہ شخص اطمینان قلب کے لئے برابر نکیل پکڑے رہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ جائیں اور وہ اطمینان سے سوال نہ کر سکے، حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی تواضع کا پتہ چلتا ہے کہ بے وقت راہ چلتے روک کر سوال کرنے کے باوجود سوال کرنے والے کے ساتھ نہایت شفقت کا معاملہ فرمایا اور اس کے سوال کا جواب دیا۔

معجم کبیر میں ابن سکن اور طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں اور ابو مسلم الکجی نے ''سنن'' میں مغیرہ بن عبداللہ یشکری سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد نے ان سے

بیان کیا ہے کہ میں کوفہ گیا مسجد میں داخل ہوا تو قیس قبیلہ کا ایک شخص ملا جس کو ابن المنتفق کہا جاتا تھا، اس نے بیان کیا کہ مجھ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ذکر کیا گیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا عرفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچنے کے لئے لوگوں میں گھسنا شروع کیا لوگوں نے روکا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو روکو نہیں، اس کو کوئی ضرورت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مجمع میں گھستا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی نکیل پکڑلی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر غصہ نہیں ہوئے نہ صحابۂ کرامؓ ہی ناراض ہوئے۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا دو باتیں ہیں ان کے بارے میں آپ سے سوال کروں گا۔ کون سی چیز مجھ کو جہنم سے بچائے گی؟ اور کون سی چیز جنت میں داخل کرے گی، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھا پھر روئے مبارک میری طرف کیا اور فرمایا اگرچہ تم نے بہت مختصر سوال کیا ہے لیکن بڑی اہم اور طویل بات پوچھی ہے لہٰذا جو کچھ کہوں اس کو اچھی طرح سمجھو، صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک مت ٹھہراؤ، فرض نمازیں اچھی طرح ادا کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔

امام مسلم ابو داؤد اور ترمذی نے ''شمائل'' میں روایت کیا ہے الفاظ مسلم کے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ، ایک عورت جو کچھ کم عقل سی تھی۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اللہ کے رسول مجھے آپ سے کچھ کام ہے، آپ نے

فرمایا :اے اُمِ فلاں دیکھو جس راستہ میں چاہو مجھ سے مل کر سوال کرلو میں تمہاری بات سنوں گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ ایک راستہ میں بیٹھ گئے یہاں تک کہ اس نے اپنی پوری بات کہی۔ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ وہ عورت بیٹھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے حتیٰ کہ اس نے اپنی بات کہہ لی۔

تعلیم کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کے سلسلہ میں بہتر سے بہتر طریقہ اپناتے تھے جو مخاطب کے دل پر پورا اثر بھی ڈالے اور اس کی عقل وفہم کی صلاحیت سے مطابقت بھی رکھتا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت وتشریح کے مطابقِ حال ہو، جس شخص نے بھی حدیث کی کتابیں بغور پڑھی ہیں وہ یہ اچھی طرح سمجھے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کے سامنے نئے نئے انداز سے گفتگو فرماتے تھے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوال فرماتے (جس سے صحابۂ کرامؓ پورے طور پر متوجہ ہو جاتے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کا جواب دیتے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والے کے سوال کا جواب اتنا ہی دیتے جتنا وہ پوچھتا، اور کبھی مزید باتیں بھی بتا دیتے، اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بتانا اور سکھانا چاہتے پہلے اس کی مثال بیان کرتے کبھی قسم کھا کر بات کو اہمیت کے ساتھ بیان فرماتے، کبھی سائل کے سوال پر نہایت حکیمانہ انداز میں اس کے ذہن کو موڑتے اور متوجہ کرتے .خطوط کے ذریعہ (یعنی لکیریں کھینچ کر) تعلیم

فرماتے، کبھی نقشہ بنا کر بتاتے اور تعلیم دیتے، کبھی کسی چیز کی تشبیہ کے ساتھ یا صاف صاف کھول کر بیان کر کے تعلیم فرماتے، کبھی بات کو مبہم فرماتے کہ سامع غور کرنے لگے اور اس کو سمجھنے کے لئے ذہن حاضر ہو جائے، اور کبھی کھول کر بیان فرماتے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم شبہ کے انداز میں کوئی بات فرماتے تا کہ اس کا جواب بیان فرمائیں۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظرافت و مزاح کے انداز میں تعلیم دیتے، کبھی جو کچھ بتانا ہوتا پہلے اس کی نہایت لطیف انداز میں تمہید قائم کرتے؛ جواب بیان کرنے کے لئے پہلے اس کے اسباب بیان فرماتے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کو جانتے ہوئے بھی صحابۂ کرامؓ سے پوچھتے تا کہ اس کا جواب بیان کر کے ذہن نشین کر دیں، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے سوال کرتے تا کہ جواب کے محل کی طرف رہنمائی کریں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے سے پہلے ہی بات کو بتا دیتے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے لئے خصوصی مجلس قائم فرماتے تا کہ ان کو ان کی ضرورت کے مطابق وعظ و نصیحت فرمائیں اور علم سکھائیں، کبھی مجلس میں کم سن لوگ اور بچے ہوتے تو گفتگو اور تعلیم میں اس کی بھی رعایت فرماتے، ان کے پاس بیٹھ جاتے اور ان کے بچپنے کا خیال کر کے بے گناہ کھیلوں سے متعلق باتیں فرماتے اور سکھاتے، اسی طرح سے اور مختلف انداز علم و تربیت کے ملئے اپناتے، جو احادیث میں آگے ذکر کئے جائیں گے، اور جو کچھ لکھا گیا اسکے مختلف نمونے سامنے لائے جائیں گے۔

اچھے کردار اور بلند اخلاق کے ذریعہ تعلیم

تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں آپ کا سب سے اہم، بڑا اور نمایاں انداز عمل اور بلند اخلاق کا نمونہ عملی شکل میں پیش کرنا ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات کا حکم فرماتے تو پہلے خود عمل فرماتے، پھر لوگ اس کو اپناتے، اور جس طرح سے آپ کو عمل کرتے دیکھتے ویسے ہی عمل کرنا شروع کر دیتے، آپ کے اخلاق قرآنی تعلیمات کا آئینہ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کے لئے اسوۂ حسنہ بنایا تھا چنانچہ ارشاد فرمایا۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ
كَثِيرًا﴾ (سورہ احزاب)

ترجمہ:۔ تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اس شخص کو جسے خدا

(سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت
سے کرتا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاق و کردار اور تمام حالات میں اپنی امت کے لئے نمونہ ہیں یہ یقینی بات ہے کہ عمل و کردار کے ذریعہ تعلیم و تربیت کرنا زیادہ قوی اور موثر ہوتا ہے۔ سمجھنے اور یاد کرنے میں بھی معاون ہوتا ہے، آدمی کو اس کی اقتدا کرنے اور اپنانے پر آمادہ کرتا ہے یہ تعلیم کا فطری طریقہ ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تعلیم کا یہ پہلو سب سے نمایاں تھا۔

حافظ ابن حجرؒ کی کتاب ''الاصابة فی تمییز الصحابة'' میں جلیل القدر صحابی الجلندی (ملک عمان) کے حالات میں مذکور ہے کہ وثیمہ نے اپنی کتاب ''الردۃ'' میں ابن اسحٰق سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن العاصؓ کو ان کے پاس اسلام کی دعوت لے کر بھیجا انہوں نے کہا یہ باتیں مجھ کو اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں جن کا یہ حال ہے کہ جن بھلی اور اچھی باتوں کا حکم فرماتے ہیں پہلے خود ان پر عمل فرماتے ہیں، اور جن بری باتوں سے روکتے ہیں پہلے خود ان کو چھوڑ دیتے ہیں وہ دشمن پر غالب آتے ہیں تو غرور کا مظاہرہ نہیں کرتے اور اگر مغلوب ہو جاتے ہیں تو دشمن کو برا بھلا نہیں کہتے۔ وہ عہد کو پورا کرتے ہیں وعدہ کو وفا کرتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

امام شاطبیؒ نے اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن کریم تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو وحی آسمانی کے

تابع بنالیا حتیٰ کہ علم و عمل ہر چیز میں زندگی کو اسی کے مطابق ڈھال لیا، جو کہتے وحی کے مطابق کہتے۔ اسی کے تابع ہوتے، وحی کے مطابق ممنوع کاموں سے رک جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے کے دلائل میں سے سب سے بڑی دلیل تھی، کہ جو حکم لے کر آئے اس پر عمل کیا اور جن چیزوں سے روکنے کا حکم لے کر آئے ان باتوں سے خود رکے، جو نصیحت فرماتے اس کو پہلے خود اپناتے، جن چیزوں سے ڈراتے پہلے ان سے خود ڈرتے، لوگوں کو رحمت خداوندی کی امید دلاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود امید کا پیکر تھے، سب کا خلاصہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو شریعت نازل ہوئی اپنے کو اس کے تابع بنالیا، اسی کو صراط مستقیم پر چلنے کا رہبر بنالیا، جس پر پوری زندگی عمل پیرا رہے۔ اسی لئے صحیح معنوں میں خدا کی عبدیت حقیقی کا مظاہرہ کیا سب سے بہتر نام عبدیت ہی ہے جس سے بندے پکارے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی﴾ (سورہ بنی اسرائیل۔۱)

ترجمہ:۔ وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا۔

مزید فرمایا۔

﴿تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ﴾ (سورہ فرقان۔۱)

ترجمہ:۔ وہ (خدائے عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے

بندے پر قرآن نازل فرمایا۔

ایک اور جگہ فرمایا۔

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ﴾ (سورہ بقرہ۔۲۳)

ترجمہ:۔ اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربیؐ) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورہ تم بھی بنالاؤ۔

ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عبد کے لفظ کا استعمال آیات سے کتنا مشابہ ہے جن میں خاص طور سے لفظ عبد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف فرمائی گئی ہے۔

جب حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریعت اسلامی کے عملی پیکر تھے اور شریعت پر عمل خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضروری تھا تو دیگر تمام بندوں پر بدرجۂ اولیٰ اس پر عمل اور شریعت حقہ کی فرمانروائی ضروری ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عملی زندگی کا وہ روشن مینار ہیں جس سے حق کی روشنی ملتی ہے، اور ان بندوں کا شرف وفضیلت اسی کے بقدر ہوگا جس قدر وہ شرعی احکامات پر عمل پیرا ہوں گے عقیدہ وعمل دونوں اعتبار سے اس کو اپنائیں گے، صرف عقلی طور پر مان لینے یا اپنی قوم میں معزز ہونے کی بنیاد پر عبدیت کا شرف وفضل نہ حاصل کر سکیں گے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے شرف کو تقویٰ پر منحصر رکھا ہے نہ کہ مال ومنصب یا حسب ونسب پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ جو شخص حصول شرف کا جتنا

اہتمام کرے گا وہ اتنا ہی اس کا زیادہ مستحق ہوگا، اور جو اس میں کوتاہ ہوگا وہ شرف کے اونچے مرتبہ پر نہ پہونچے گا، شرف کا سارا انحصار شریعت پر عمل کرنے پر ہے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا یہ نمایاں وصف تھا تو اب اس کے چند نمونے بھی پیش کئے جائیں گے اس لئے کہ سب کا احاطہ باعث طوالت ہوگا۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مسلم اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے (یہاں الفاظ مسلم کے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس مسجد میں تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ابن طاب (مدینہ منورہ کے ایک شخص کا نام تھا جس کی طرف کھجور کی ایک قسم منسوب ہے) کی ایک سوکھی ٹہنی تھی مسجد کے جانب قبلہ بلغم پڑا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ٹہنی سے اس کو کھرچ دیا۔

اس کے بعد ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم میں سے یہ کون پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے رخ پھیر لیں؟ راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہم لوگوں نے سر جھکا لیا، دوبارہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے یہ کون پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے رخ پھیر لیں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا اللہ کے رسول، ہم میں سے کوئی بھی یہ گوارہ نہ کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر تم میں سے جو شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے روبرو ہوتا ہے (یعنی قبلہ رخ ہونا گویا اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے) لہٰذا وہ اپنے سامنے کی طرف ہرگز نہ تھوکے، نہ ہی دائیں طرف تھوکے، تھوکنا ہی پڑے تو بائیں طرف اپنے

بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے (یہ اس وقت تھا جبکہ مسجدوں کا فرش ریت وکنکری کا ہوتا تھا اب جبکہ مساجد میں چٹائی اور فرش بچھے ہوتے ہیں یا سنگ مرمر لگا ہوتا ہے درست نہ ہوگا بلکہ نمازی اپنے کپڑے یعنی رومال وغیرہ میں لے لے۔) [1]

اور اگر اضطراری کیفیت پیدا ہو جائے تو اس طرح اپنے کپڑے میں لے لے، اپنے کپڑے کو موڑ کر بتایا کہ اس طرح، ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ کپڑے کو منہ سے لگا کر فرمایا کہ اس طرح کرلے۔

یہ سب بتانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوشبو لاؤ، محلّہ کا ایک نوجوان تیزی کے ساتھ اپنے گھر گیا اور اپنی ہتھیلی میں خوشبو لے کر آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوشبو کو لے کر ٹہنی کے سرے پر لگایا اور تھوک کی جگہ پر لگا دیا۔ مسلم، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ نے سلیمان ابن بریدہ کی حدیث بیان کی انھوں نے اپنے والد سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کا وقت پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ہمارے ساتھ دو دن نماز پڑھو، جب سورج ڈھل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا اور انھوں نے اذان دی پھر ان کو حکم فرمایا تو ظہر کی اقامت

[1] شیخ عبد الفتاحؒ نے امام بخاری کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ محمد بن منصور کہتے ہیں کہ ہم لوگ ابو عبد اللہ بخاری کی مسجد میں موجود تھے ایک شخص نے اپنی ڈاڑھی سے کچھ گندگی نکالی اور مسجد میں پھینک دی، ہم نے امام بخاری کو دیکھا کہ وہ اس تنکے اور لوگوں کی طرف دیکھ رہے ہیں، جب لوگوں کی نظر اس کی طرف سے ہٹی تو آپ نے اس تنکے کو اٹھا لیا اور اپنی آستین میں رکھ لیا، جب آپ مسجد سے باہر نکلے تو میں نے دیکھا کہ آپ نے اس کو آستین سے نکال کر پھینک دیا۔

کہی (یعنی نماز ہوئی) پھر اس کے بعد جبکہ سورج ابھی کافی اوپر تھا اس کی روشنی تیز تھی عصر کی نماز کا حکم دیا، پھر سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز کا حکم دیا۔ پھر جب شفق (یعنی آسمان کی سرخی جاتی رہی) غائب ہو گیا تو عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر صبح صادق کے وقت فجر کی نماز کا حکم فرمایا۔

جب دوسرا دن آیا تو حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ دھوپ کی تپش کم ہو جائے تو نماز پڑھی جائے چنانچہ اچھا خاصا وقت گذرنے کے بعد جب دھوپ میں اعتدال آگیا تب ظہر کی نماز پڑھی اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب کہ سورج ابھی کافی بلندی پر تھا، پہلے دن کے مقابلہ میں کافی تاخیر سے پڑھی اور مغرب کی نماز شفق یعنی سرخی غائب ہونے سے پہلے پڑھی، اور عشاء تہائی رات گذرنے کے بعد پڑھی اور فجر کی نماز اسفار یعنی کافی روشنی ہو جانے کے بعد پڑھی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس شخص نے کہا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری نماز کا وقت جس طرح دیکھا اس طرح ہے (یعنی عملاً تقدیم وتاخیر کی جو صورت دیکھی اس طرح پڑھا کرو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر کر کے دکھا دیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورۃً تاخیر بھی کی جا سکتی ہے چونکہ عملی طور سے کر کے دکھانے میں بات زیادہ سمجھ میں آتی ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انداز اپنایا۔ امام نووی نے شرح مسلم میں اسی طرح وضاحت کی ہے۔

ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے عمرو بن شعیب سے اور انھوں نے اپنے دادا کے واسطہ سے بیان کیا ہے (الفاظ ابوداؤد کے ہیں) کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم طہارت کیسے حاصل کریں؟ (اس کی مراد وضو سے تھی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں پانی منگایا، پھر تین بار اپنی دونوں ہتھیلیوں کو (گٹوں تک) دھویا۔ پھر تین بار منہ دھویا، اس کے بعد تین بار اپنے دونوں ہاتھ (کہنیوں تک) دھوئے، پھر اپنے سر کا مسح کیا، اور شہادت کی دونوں انگلیوں کو دونوں کانوں میں ڈالا، اور کان کے ظاہری حصہ پر دونوں انگوٹھوں سے مسح فرمایا، پھر دونوں پاؤں کو تین بار دھویا۔ اور فرمایا وضو اس طرح ہوتا ہے، جس نے اس میں کمی زیادتی کی اس نے غلط کیا اور حد سے تجاوز کیا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اساء وظلم یا ظلم و اسا کے الفاظ فرمائے)۔

امام بخاری نے معاذ بن عبدالرحمن سے روایت کیا ہے کہ ابن اَبان نے ان کو بتایا کہ میں عثمان بن عفان کے لئے وضو کا پانی لے کر آیا، وہ چوکی پر بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے اچھی طرح وضو کیا پھر فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مجلس میں وضو فرماتے ہوئے دیکھا ہے آپ نے خوب اچھی طرح وضو کیا پھر فرمایا: جس نے اس طرح وضو کیا پھر مسجد آیا اور ایسی دو رکعت نماز پڑھی جس میں دنیاوی چیزوں کا خیال نہ لایا اور پھر بیٹھ گیا تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں راوی کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دھوکہ میں نہ رہو[1]

[1] یعنی پچھلے گناہوں کی معافی کو ہر قسم کے گناہوں پر محمول نہ کر (یعنی حقوق العباد اور گناہ کبیرہ اس سے معاف نہ ہوں گے)۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر امامت فرمائی تا کہ سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے طریقہ کو اچھی طرح دیکھ لیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھ کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظروں کے سامنے نماز ادا کرنے کی حالت کا مشاہدہ کر کے نماز سیکھ لیں۔

بخاری اور مسلم کی روایت ہے (الفاظ بخاری کے ہیں) کہ سہل بن سعد ساعدی نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے قبلہ کی طرف رخ کیا اور تکبیر کہی یعنی تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی آپ کے پیچھے لوگ بھی کھڑے ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت فرمائی اور رکوع کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لوگوں نے بھی رکوع کیا، پھر سر اٹھایا اور ایڑی کے بل منبر سے نیچے اتر آئے اور سجدہ کیا، سجدہ کے بعد پھر منبر پر چڑھے، اور قرأت فرمائی اور رکوع کیا اور رکوع سے سر اٹھایا اور ایڑی کے بل پھر منبر سے زمین پر آئے اور زمین پر سجدہ کیا جب فارغ ہوگئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا لوگو! یہ ہم نے اس لئے کیا ہے تا کہ تم ہماری اقتدا کرو اور ہم جس طرح نماز پڑھتے ہیں اس کو سیکھ لو۔ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عملی نماز سکھانے کے لئے ایسا فرمایا۔

ابوداؤد نے وضو کے بیان میں چربی دار گوشت چھونے اور اس کے دھونے اور ابن ماجہ نے کتاب الذبائح (باب السلخ) میں روایت کیا ہے الفاظ ابن ماجہ کے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غلام کے

پاس سے گذرے جو ایک بکری کی کھال اتار رہا تھا اُس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہٹو، تا کہ میں تم کو کھال اتار کر دکھادوں کہ کیسے اتاری جاتی ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلد اور گوشت کے درمیان اپنا ہاتھ داخل کیا دست مبارک کو اتنا اندر داخل کیا کہ بغل تک ہاتھ چھپ گیا، پھر فرمایا اس طرح کھال اتارو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے، نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔[1]

1۔ وضو نہ فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے ہاتھ بھی نہ دھویا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عمل ناقض وضو نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم

شرعی احکام بتدریج بتاتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم دینے میں بتدریج یعنی مرحلہ وار سکھانے کی رعایت فرماتے تھے جو چیز زیادہ اہم ہوتی اس کی تعلیم پہلے دیتے پھر اس کے بعد جو چیز ضروری ہوتی اس کو بتاتے اور تھوڑا تھوڑا وقفہ دے دے کرتا کہ سمجھنا اور عمل کرنا آسان ہو نیز دل میں بات اچھی طرح اتر جائے۔

ابن ماجہ نے جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم لوگ سب کے سب بالکل نوجوان تھے، بن بلوغ کو پہنچنے والے تھے۔ ہم لوگوں نے قرآن کریم سیکھنے سے قبل ایمان سیکھا۔ ایمان کے بعد پھر قرآن سیکھا۔ اس سے ہمارے ایمان میں اور ترقی ہوئی۔

بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن بھیجا اور فرمایا تم ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ لہٰذا ان کو پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور میں بلاشبہ اس کا رسول ہوں۔ پھر جب وہ اس کو مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ

اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جوان کے مالداروں سے لیا جائیگا اور انھیں کے فقیروں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ وہ جب اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو ایسا نہ کرنا کہ ان کے اچھے اچھے مال چھانٹ کر لے لو، بلکہ درمیانی لو، مظلوم کی بددعا سے بچو کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں (یعنی مظلوم کی دعا فوراً قبول ہوتی ہے) (یہ الفاظ مسلم کے ہیں)۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ میں پہلے بنیادی باتوں کو بتایا جائے۔ پھر اس کے بعد جزئیات کو بتایا جائے اس طرح تعلیم وتربیت مفید ہوتی ہے۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں محمد بن فضیل سے روایت کیا ہے اور انھوں نے عطاء جو ابن سائب کے نام سے معروف ہیں اور انھوں نے ابوعبدالرحمن سے جو سلمی مقرئی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ انھوں نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ہم کو جو صاحب پڑھاتے تھے وہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں سیکھ لیتے تھے پھر جب تک اس کے معانی اور عمل کو اچھی طرح سمجھ نہ لیتے دوسری دس آیتیں نہیں سیکھتے تھے۔

طبری نے اپنی تفسیر میں حسین بن واقد سے تخریج کی ہے کہ اعمش نے شقیق کے حوالہ سے اور انھوں نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ہم (میں جو شخص دس آیتیں سیکھ لیتا تھا تو جب تک انکے معانی کو خوب سمجھ نہ لیتا اور عمل نہ کر لیتا دوسری آیتیں نہیں سیکھتا تھا)۔

تعلیم وتربیت میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میانہ روی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے اوقات اور حالات کی رعایت فرماتے ہوئے ان کو وعظ فرماتے اور دینی باتیں سکھاتے تھے کہ کہیں اکتاہٹ نہ پیدا ہو جائے، اسی کے ساتھ میانہ روی اختیار فرماتے تھے، وعظ کو بہت لمبا نہ فرماتے تھے کہ لوگ سنتے سنتے اکتا جائیں اور آپ کی باتوں کو بے دلی کے ساتھ سنیں بلکہ ابھی ان کے اندر شوق وطلب باقی ہی رہتا تھا کہ وعظ ختم فرما دیتے تھے۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "صحیح بخاری" کے کتاب العلم میں اس باب کے تحت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے تا کہ ان میں بے دلی نہ پیدا ہو جائے، اور امام مسلم نے اپنی "صحیح مسلم" باب الاقتصاد فی الموعظۃ میں ذکر کیا ہے یہاں مسلم ہی کے الفاظ کا ترجمہ ہو رہا ہے وہ اعمش سے روایت کرتے ہیں اور انھوں نے شقیق ابووائل سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم لوگ عبداللہ بن مسعودؓ کے دروازہ پر بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے، اس درمیان یزید بن معاویہ نخعی کا ہمارے

پاس سے گذر ہوا ہم نے ان سے کہا آپ عبداللہ بن مسعودؓ کو ہمارے یہاں انتظار کرنے کی اطلاع کر دیجئے، وہ ان کے پاس گئے، اطلاع ملتے ہی عبد اللہ بن مسعودؓ ہمارے پاس آگئے اور فرمایا مجھے آپ لوگوں کے آنے کی اطلاع ملی اور نکلنے میں تاخیر اس لئے کی کہ بلاناغہ نصیحت سے اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے کہ ہم اکتاہٹ نہ محسوس کریں۔

بخاریؒ نے کتاب العلم میں جس نے اہل علم کے لئے متعین دن طے کر دیئے ہوں کے تحت باب میں اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم باب الاقتصاد فی الموعظۃ کے تحت الفاظ دونوں ہی کے ہیں۔ منصور کے حوالہ سے کہ انھوں نے شقیق ابو وائل سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ ہم کو ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے، ان سے ایک شخص نے کہا: اے ابوعبدالرحمن۔ یہ عبداللہ ابن مسعودؓ کی کنیت تھی۔ ہم کو آپ کی باتیں پسند آتی ہیں اور ہمیں ان کا شوق رہتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو ہر روز نصیحت فرمایا کریں۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ روز بات کرنے سے اس کے سوا کوئی اور مانع نہیں کہ تم اکتا جاؤ گے، میں ناغہ دے دے کر تم کو وعظ کہتا ہوں جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، کہ ہم اکتا نہ جائیں۔

ایسے ہی بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے ایک اور روایت بیان کی ہے، بخاری نے کتاب العلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناغہ دے کر وعظ کہنے کے باب میں کہ لوگوں میں بے دلی نہ پیدا ہو، اور مسلم نے کتاب الجہاد میں یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آسانی کرو سختی نہ کرو،

خوشخبری سناؤ نفرت نہ پیدا کرو۔ امام نوویؒ نے مسلم شریف میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نیکیوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل وعطا، جود وسخا، جنت کی نعمتوں کے ملنے کی خوشخبری۔ اس کے ساتھ مناسب مقدار میں برے اعمال پر وعید اتنی سناؤ جس سے مایوسی نہ پیدا ہو بلکہ رجا اور خوف کی ملی جلی کیفیت رہے تو یہ مفید ہوگا۔

امام مسلمؒ نے ایک روایت ابوموسیٰ اشعریؓ سے نقل کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ میں کسی کو بعض موقعوں پر بھیجتے تھے تو فرماتے تھے خوشی اور اجر وثواب کی باتیں سناؤ، نفرت اور دوری پیدا کرنے والی باتیں نہ سناؤ، نرم وخوش خلقی کا رویہ اپناؤ اور آسانی کی باتیں بتاؤ، دشوار اور مشکل باتیں نہ سناؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم وتربیت میں

افراد کے فرق ومزاج کا خیال فرماتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ومتعلم اور سوال کرنے والے کے انفرادی فرق کا بہت خیال فرماتے تھے، چنانچہ ہر شخص کو اس کے فہم ومرتبہ کے لحاظ سے مخاطب فرماتے تھے، جو لوگ نئے اور مبتدی ہوتے تھے، ایسے لوگوں کو وہ باتیں نہیں بتاتے تھے جو منتہی لوگوں کو بتائی جاتی ہیں، اور سائل کے سوال کے جواب میں وہی بات بتاتے تھے جو اس کے لئے ضروری ہو۔

امام بخاریؒ نے کتاب العلم۔ باب من خص بالعلم قوماً دون قوم کراھیة أن لایفھموا ۔ میں اور امام مسلمؒ نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے زیر ترجمہ کتاب میں لفظ دونوں ہی کے لئے گئے ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے جو آپ کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے تین مرتبہ فرمایا معاذ! اور تینوں مرتبہ حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوں،

فرمائیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ بھی دل سے کلمۂ شہادت یعنی (اشھد ألا الہ الااللہ واشھدأن محمد أعبدہ ورسولہ) پڑھے گا اللہ تعالیٰ آگ (یعنی جہنم) کو اس پر حرام فرمادے گا، یہ سنکر حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں لوگوں کو یہ بات بتا نہ دوں کہ وہ خوش ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں! ایسا کرو گے تو (کم سمجھ) لوگ اسی پر بھروسہ کرلیں گے جس سے عمل میں کوتاہی کریں گے، حالانکہ اس کلمہ کے پڑھنے کا مطلب اس کے تقاضہ کو پورا کرنا بھی ہے لیکن حضرت معاذؓ نے آخر عمر میں علم چھپانے کے گناہ کے ڈر سے یہ حدیث بیان کردی۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ علم کی جن چیزوں میں باریکی اور گہرائی ہو انھیں ہر کس و ناکس کو نہیں بتانا چاہئے اس لئے کہ وہ اپنی ناسمجھی سے عمل میں کوتاہی کریں گے اور ظاہر لفظ پر بھروسہ کرلیں گے۔

حافظ ابن رجبؒ نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت معاذؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں سے اس حدیث کو بیان کرنے سے منع کرنا اس بات کو بھی واضح کردیتا ہے کہ عوام کے سامنے رخصت کی حدیثیں بیان کرنے میں احتیاط کرنی چاہئے کہ وہ اس کے مقصد کو سمجھ نہ پائیں گے، حضرت معاذؓ نے یہ حدیث سنی تو عمل میں اور زیادہ کوشش کرنے لگے، اور اللہ تعالیٰ کا خوف وخشیت اور زیادہ بڑھ گیا، لیکن جو شخص ان کے مرتبہ کا نہ ہو، اس کے بارے میں اطمینان نہیں کیا جاسکتا وہ ظاہر لفظ کو سامنے رکھ کر عمل میں کوتاہی کرے گا۔

صحابہ کرامؓ کا اسی پر عمل رہا، چنانچہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کے اسی باب میں جس کا اوپر ذکر ہوا اور اس کی ایک روایت بیان ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: لوگوں سے ایسی باتیں کہو جن کو وہ سمجھ سکیں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ (تمہارے طرز کلام سے) اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلا دیا جائے۔

اس حدیث کی روشنی میں امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "احیاء العلوم" میں فرمایا کہ استاذ کا یہ فرض ہے کہ طالب علم کی سمجھ کے مطابق اس کو علم سکھائے ایسی باتیں نہ بتائے جو اس کی سمجھ سے بلند ہوں کہ اس کے نتیجہ میں وہ علم سے دور بھاگے اور اس کی عقل کام نہ کرے۔

اسی طرح سے عالم کو بھی ہر وہ چیز جو وہ جانتا ہے سب کے سامنے نہیں بیان کرنا چاہئے یہ تو اس وقت ہے کہ جب وہ سمجھتا ہو اور فائدہ نہ اٹھا سکتا ہو، تو جو سرے سے سمجھ ہی نہ سکتا ہو اس کے سامنے بیان کرنا کتنا نامناسب ہوگا، ایسے ہی عوام کے سامنے دقیق اور علمی مضامین نہیں بیان کرنا چاہئے بلکہ ان کے سامنے عام و ضروری باتیں مثلاً عبادات امانت داری، کاروباری چیزیں جو ان کی سطح کی ہوں اور ضروری بھی ہوں بیان کرنا چاہئے، اسی طرح سے ان کے سامنے جنت کا شوق، جہنم کا خوف پیدا کرنے والی باتیں بیان کرنا چاہئے، جیسا کہ خود قرآن کریم میں اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ایک روایت نقل کی ہے فرمایا: ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک نوجوان آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا

میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں!

کچھ دیر بعد ایک بوڑھا شخص آیا اس نے بھی یہی سوال کیا کہ کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں روزہ کی حالت میں بوسہ لے سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، یہ سنکر ہم لوگ حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کہ ایک ہی کام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو منع فرمارہے ہیں اور ایک کو اجازت دے رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم لوگوں کے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کو سمجھ گیا، بوڑھا بوسہ کے بعد اپنے اوپر قابو رکھ سکتا اور جوان نہیں رکھ سکتا، جوان کا بوسہ جماع پر مجبور کردے گا اس کا روزہ جاتا رہے گا اور بوڑھے کے لئے اس کا خطرہ نہیں ہے چونکہ دونوں سوال کرنے والوں کے حالات الگ الگ تھے اس لئے جواب بھی اسی مناسبت سے دیا گیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ مخاطب کے حال کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا: ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر انھیں (کی راحت رسانی) میں جہاد کرو۔ یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں مشقت اٹھاؤ، ان کی خدمت جہاد کے قائم مقام ہوگی۔

امام مسلمؒ نے ایک روایت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کی ہے۔ انھوں نے

فرمایا ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت اور جہاد کی بیعت کرتا ہوں اس سے میرا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں، بلکہ دونوں زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا مقصود اللہ کی رضا جوئی ہے نا؟ اس نے کہاں ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم واپس جاؤ اور اپنے والدین کے ساتھ اچھی طرح رہو، یعنی ان کی خدمت کرو، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں آدمیوں سے یہ بات اس وقت فرمائی جبکہ آپ ہجرت و جہاد پر ابھارتے۔ اور ان دونوں باتوں کا شوق دلاتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے خصوصی حال کو ملاحظہ فرمایا تو اس کے حق میں جہاد کے بجائے والدین کے ساتھ حسن سلوک ہی کو اہم اور افضل سمجھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات سائل کے حالات کے اعتبار سے مختلف ہوا کرتے تھے۔

یکساں سوالات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات کا مختلف ہونا سوال کرنے والوں کے حالات، ان کے ماحول اور صلاحیتوں کی بنیاد پر ہوا کرتا تھا، سوالات و جوابات کا یہ پہلو بہت وسیع ہے۔ اس کی حدیث پاک میں بہت سی مثالیں ہیں۔ اسی طرح سے جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت کی درخواست کی ان کو ان کے حالات و صلاحیت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ الگ جوابات دیئے۔

امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو وصیت فرمایئے (جواب میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہاں کہیں بھی ہو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے حکموں کا پاس و لحاظ اور خوشی و ناراضگی کو دھیان میں رکھو اور خطا ہو جانے پر نیکی سے اس کی تلافی کرو۔ نیکی برائی کو مٹادے گی، اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ (اس حدیث میں الفاظ امام احمدؒ کی روایت کے لئے گئے ہیں)۔

امام بخاریؒ اور ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو کچھ وصیت فرمایئے اور بہت سی باتیں نہ بتایئے تاکہ میں اس کو یاد رکھ سکوں، اور اچھی طرح سمجھ سکوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غصہ نہ ہوا کرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار یہی فرمایا اور غصہ نہ ہوا کرو۔ (لا تغضب) کے الفاظ کو دہرایا۔

حدیث کی شرح میں خطابیؒ فرماتے ہیں کہ غصہ تو فطری چیز ہے اس کو ختم نہیں کیا جاسکتا، آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ غصہ دلانے والے اسباب سے بچو۔ یا یہ مطلب ہے کہ غصہ آئے تو اس کے تقاضہ پر عمل نہ کرو کہ ناشائستہ الفاظ زبان سے نکلیں یا غلط کام کر بیٹھو۔[1]

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے (الفاظ

---

[1] عمدۃ القاری شرح بدر عینی۔

بخاری کے ہیں) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی حاضر ہوا۔ اور عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے ایسا عمل بتائیے کہ اگر اس پر عمل کرلوں تو جنت میں داخل ہو جاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، فرض نمازیں اچھی طرح ادا کرو، زکوٰۃ جو تم پر فرض ہے دیا کرو، رمضان کے روزے رکھو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر اس اعرابی نے کہا کہ اس میں کسی طرح کی کمی زیادتی نہ کروں گا یعنی اس ہدایت پر پورا پورا عمل کرونگا۔

پھر جب وہ واپس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی جنتی کو دیکھ کر خوش ہونا چاہے وہ اس شخص کو دیکھ لے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے ان ہدایات پر عمل کرنے کے پختہ ارادہ کی تحسین فرمائی تا کہ دوسروں کو اس کا شوق ہو۔ اور یہ کہ ان جیسی ہدایات پر اخلاص و رضائے الٰہی کی طلب ہی جنت میں جانے کا سبب ہوتا ہے۔

امام ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے عبداللہ ابن بسرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول اسلام کے قوانین تو ہم کو بہت معلوم ہوتے ہیں، آپ مجھ کو کوئی ایسی چیز بتادیں جس کو میں پکڑلوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری زبان ذکر خداوندی سے برابر تر رہے۔

مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول

آپ اسلام کے بارے میں کوئی ایسی بات فرمائیے کہ آپ کے بعد اسکے بارے میں کسی اور سے سوال نہ کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قل ربی اللہ ثم استقم تم کہو میرا رب اللہ ہے پھر اس پر جم جاؤ (یہ الفاظ مسلم کے ہیں) ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو کوئی ایسی بات بتائیے جس کو میں مضبوطی سے پکڑلوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو میرا رب اللہ ہے، پھر اس پر جم جاؤ، پھر میں نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو میرے بارے میں کس چیز کا زیادہ اندیشہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کو پکڑا پھر فرمایا یہ وہ چیز ہے جس کا زیادہ اندیشہ رہتا ہے کہ وہ گناہ میں مبتلا کرے۔

ترمذیؒ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! نجات کیونکر ممکن ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی زبان پر قابو رکھو! گھر کو اپنے لئے وسیع بنالو! (یعنی لغو و بیکار مجلسوں میں شرکت کے بجائے گھر میں رہنے کو ترجیح دو) اپنی غلطیوں پر روتے رہو۔

اس انداز کی دوسری اور حدیثیں بھی ہیں۔ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے الگ الگ حالات کی رعایت فرمائی ہے سوال کرنے والوں کو ان کے حالات و ضروریات کے مطابق نصیحت کی ہے۔

اسی طرح کے جوابات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے افضل یا اللہ کو محبوب عمل کے سلسلے میں لوگوں کے سوالات پر ان کے احوال کے اعتبار سے افضل عمل کو بتایا ہے، چنانچہ ہر سوال کرنے والے کو اس کے سوال کے وقت اس کے حالات

وضروریات پر نظر رکھتے ہوئے جو کام افضل وضروری سمجھا اس کو بتایا۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ۔ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام کی سب سے اچھی بات کون سی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا کھلاؤ، اور ہر ایک کو سلام کرو، چاہے پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔

امام بخاریؒ ومسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اس نے کہا اسلامی عادات کو اپنانے کے اعتبار سے کون سا مسلمان اچھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان، پھر سوال کیا گیا کہ اور اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد، پھر سوال کیا گیا کہ اور اس کے بعد؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج مبرور۔

مسلمؒ اور بخاریؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا

عمل بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والدین کے ساتھ حسن سلوک، فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا اور اس کے بعد؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد، اس کے بعد میں نے اس خیال سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زحمت وتکلیف ہوگی مزید سوالات نہیں کئے۔

ابو یعلی قبیلہ خشعم کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں اس نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے، میں نے عرض کیا کیا تمہیں وہ شخص ہو جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہو کہ تم اللہ کے رسول ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں! وہ شخص کہتا ہے پھر میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پر ایمان، وہ شخص کہتا ہے میں نے پھر کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلہ رحمی (یعنی رشتوں کا جوڑنا) پھر راوی نے سوال کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اس کے بعد کون سا عمل؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

راوی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد پھر میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کون سا عمل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا، راوی نے کہا، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اسکے بعد کون سا عمل سب سے زیادہ اللہ کو

ناپسند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رشتوں کا توڑنا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا اور اس کے بعد؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برائی کا حکم دینا اور بھلائی سے روکنا۔

اس طرح کی اور بھی احادیث ہیں جن میں افضل اور محبوب اعمال کو بیان کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات مختلف ہیں اور اختلاف کرنے کا سبب سوال کرنے والوں کے ذاتی حالات کی رعایت ہے کہ ہر ایک کے حالات الگ ہوتے ہیں ایسے ہی سوالات کے اوقات، قوموں اور قبیلوں کے الگ الگ حالات کا خیال بھی ملحوظ ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو اس کے مناسب حال جواب دیا، یا اسلام کی ضروری باتیں اس کو نہیں معلوم تھیں ان کو بتایا، یا وہ بات بتائی جس کی اس کو طلب تھی یا اس کے لئے مناسب تھی، یا پھر سائل کو وہ بات بتائی جو اس کے سوال کے وقت دوسرے کے مقابلہ میں اس کے لئے زیادہ موزوں تھی یا پھر سوال کرنے والے کے سوال کے وقت دوسرے کے مقابلہ میں اس کے لئے جو چیز ضروری ہے اس کو افضل اور پسندیدہ بتایا ابتدائے اسلام میں جہاد سب سے افضل عمل تھا کہ اسلام پر قائم رہنے اور اس کے مستحکم ہونے کے لئے یہی ضروری تھا، ایسی بہت سی دلیلیں ہیں کہ نماز صدقہ سے افضل عمل ہے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص پریشانی کے عالم میں ہو تو صدقہ زیادہ بہتر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزاج شناس استاذ اور دانا و بینا رہبر تھے ہر شخص کو اس کی ضرورت وصلاحیت کے مطابق سمجھا دیتے تھے۔

گفتگو اور سوال وجواب کے ذریعہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص انداز تعلیم گفتگو اور سوال وجواب تھا، تاکہ اس انداز کے ذریعہ سامعین کو سننے اور سمجھنے کے لئے متوجہ اور ہمہ تن گوش بنا کر بات کو سمجھنے کے لئے مستعد کر دیں، اور ان کے دلوں میں جواب کا شوق پیدا ہو جائے جو ان کی قوت فکریہ کو جواب کے لئے بیدار کر دے تاکہ اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب جلد سمجھ میں آجائے، اور دل میں اتر جائے۔

امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بتاؤ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازہ پر نہر ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ بھی میل باقی رہے گا؟ صحابۂ کرامؓ نے جواب دیا نہیں! اس کے جسم پر کچھ بھی میل باقی نہ رہے گا، یہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، تم لوگ جانتے ہو! مسلمان کون ہے؟ صحابۂ کرامؓ نے جواب دیا۔ اللہ اور اللہ کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو کہ مؤمن کون ہے؟ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا اللہ اور اللہ کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن وہ ہے جس سے مومن بندے اپنے جان ومال کے بارے میں مطمئن ومامون ہوں، مہاجر وہ ہے جس نے برائی کو چھوڑ دیا اور اس سے پرہیز کیا[1]

امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ تو اسی کو مفلس جانتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ اور مال نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن روزہ، نماز، زکوٰۃ، لے کر آئے گا، مگر اسی کے ساتھ اس حال میں آئے گا کہ کسی کو برا بھلا کہا ہوگا، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال ناجائز طریقہ سے کھایا ہوگا، کسی کو قتل کیا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا تو (اس کا بدلہ چکانے کے لئے) اس کی نیکیوں میں سے، ان لوگوں کو دیا جائے گا (جن کو اس سے نقصان پہونچا ہے) اب اگر ان کا

[1] مجلس میں چونکہ مسلمان اور مومن ہی تھے اس لئے اس مناسبت سے فرمایا ورنہ ایذاء سے سالم ومحفوظ رہنا عام ہے جیسا کہ دیگر احادیث میں وارد ہے۔

حق پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان اہل حقوق کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ اور پھر وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان حضرات سے سوال کیا پھر خود ہی دوبارہ اپنے اس سوال کا جواب واضح فرمایا، یہ طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذہنوں کو بیدار کرنے اور توجہ سے سننے کے لئے اپنایا کہ حقیقی افلاس وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگا۔

مکالمہ اور گفتگو کی سب سے مشہور حدیث تو حدیث جبریل ہے جو ارکان ایمان سکھانے کے سلسلہ میں پیش آئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہؓ سے مروی ہے۔ کہ ایمان کے اہم ارکان حضرت جبریل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گفتگو کے ذریعہ پیش کر دیئے گئے تاکہ ان لوگوں کو دین کی بنیادی باتیں سکھا دی جائیں۔

امام مسلمؒ اور دیگر ائمہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے فرمایا ایک دن ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے اسی اثنا میں نہایت سفید پوش اور خوب کالے بالوں والا ایک شخص آیا اس پر سفر کے آثار بھی نہ تھے۔ نہ ہی ہم میں سے کوئی شخص اس کو پہچانتا تھا وہ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے دونوں گھٹنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا لئے، اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنی دونوں رانوں پر رکھ لیا، اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اسلام کے بارے میں بتاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی

"گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، پابندی سے نماز پڑھو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو، (یہ سن کر) اس شخص نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہمیں اس شخص پر تعجب ہوا کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔

پھر اس نے کہا ہم کو ایمان کے بارے میں بتایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پر ایمان لاؤ، اس کے فرشتوں پر ایمان لاؤ، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاؤ، آخرت پر ایمان لاؤ، اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاؤ (یہ سن کر) اس شخص نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا۔

اس کے بعد اس نے سوال کیا مجھے احسان کے بارے میں بتایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہیں تو یہ دھیان رکھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ حدیث کا لب لباب یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں کم از کم یہ دھیان میں رکھے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اس طرح اس کی عبادت میں بھی خشوع وخضوع پیدا ہوگا اور عمل میں احتیاط وتقویٰ سے کام لے گا۔

پھر اس شخص نے سوال کیا قیامت کے بارے میں بتایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے بارے میں جس سے پوچھا جا رہا ہے اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں معلوم۔

پھر اس نے کہا تو قیامت کی نشانیاں بتایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

قیامت کی علامت یہ ہے کہ باندی اپنی ملکہ کو جنے (یعنی بچے ماں باپ کی نافرمانی میں اتنے بڑھ جائیں کہ ان کی نافرمانی اور ان کو برا بھلا کہنے میں ایسے ہو جائیں کہ ان کے ساتھ وہ معاملہ کرنے لگیں جو آقا اپنی باندی کے ساتھ کرتا ہے) اور جب دیکھو کہ غریب ونادار لوگ جن کو پاؤں کا جوتا اور جسم کا کپڑا بھی میسر نہ تھا، اور جو لوگ بکریاں چرایا کرتے تھے وہ (ترقی کر کے) اونچی اونچی بلڈنگیں بنانے لگیں۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ پھر وہ شخص چلا گیا کئی دن گذر ے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا عمرؓ! تمہیں معلوم ہے کہ سوال کرنے والا شخص کون تھا میں نے عرض کیا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

امام نوویؒ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ جب لوگ عالم کی مجلس میں حاضر ہوں کچھ پوچھنا چاہتے ہوں اور ادب کی وجہ سے ہمت نہ ہوتی ہو، تو جو شخص سمجھ دار ہو وہ سوال کرے تاکہ سب کو مسئلہ معلوم ہو جائے، اور عالم کو چاہئے کہ سوال کرنے والے کے ساتھ نرمی برتے، اس کو اپنے سے قریب کرے تاکہ بلا خوف وجھجک وہ سوال کر سکے اور سائل کو بھی چاہئے کہ سوال کرنے میں نرم انداز اپنائے۔ (حدیث سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال وجواب کرنا اچھے انداز سے تعلیم دینے کے مقصد سے تھا۔)

باہمی گفتگو اور عقلی صلاحیت کا اندازہ کر کے

تعلیم وتربیت کا طریقہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ مخاطب سے بات چیت کر کے جس چیز سے منع کرنا ہوتا عقلی طور پر اس کی گندگی اور برائی کو ذہن میں بٹھا کر اس کی تربیت فرماتے تھے، اس طرح اس کو بے چون وچرا اپنی عادت کا چھوڑنا آسان ہو جاتا تھا۔

امام بخاریؒ ومسلمؒ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحی یا عیدالفطر کے موقع پر عیدگاہ کے لئے نکلے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اے عورتو! تم صدقہ ضرور کرو، (شب معراج میں مجھے دکھایا گیا) کہ جہنم میں تمہیں لوگ زیادہ ہو، عورتوں نے سوال کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لعن طعن بہت کرتی ہو،

(ذرا سی بات پر) شوہروں کی ناشکری کرتی ہو، تم سے بڑھ کر کم عقل، دین میں ناقص اور ہوشیار مردوں کی عقل اڑا دینے والی تم سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

عورتوں نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے دین اور عقل میں کیا کمی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کی آدھی نہیں؟ عورتوں نے جواب دیا کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عورت کی عقل کی کمی کے سبب ہے، مزید فرمایا کیا ایسا نہیں کہ عورت حالت حیض میں نہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے؟ عورتوں نے جواب دیا کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عورت کی دین کی کمی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی

ذہانت اور واقفیت کا اندازہ لگانے کیلئے پہلے سوال فرماتے تھے

کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھتے تھے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو جانتے تھے، ان سے سوال کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ ان کی ذہانت وقوت فکریہ کو بیدار کریں، دماغ کو حرکت دیں، اور گفتگو کے انداز میں ان کو تعلیم دیں تاکہ یہ اندازہ لگا سکیں کہ ان کی قبول علم کی صلاحیت کتنی ہے۔

امام بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا اسی اثنا میں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ عمدہ کھجور لائی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کھاتے ہوئے فرمایا درختوں میں ایک ایسا ہرا بھرا درخت ہے جس کی خیر و برکت اور نفع مسلمان کی خیر و برکت اور نفع کی طرح ہے، اس کا پتہ نہ گرتا ہے نہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے، وہ اللہ کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا رہتا

ہے، وہ مسلمان کے مثل ہے تم بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے ذہن صحرا کے درختوں کی سوچ میں پڑ گئے کہ ایسا کونسا درخت ہو سکتا ہے، کسی نے کسی درخت کا نام لیا کسی نے کسی درخت کا، میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہو سکتا ہے، دل میں آیا کہ کہوں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ مجلس میں معمر لوگ موجود ہیں، لہٰذا کہنے میں لحاظ معلوم ہوا اس لئے کہ میں کم عمر تھا، پھر میں نے نظر دوڑائی تو میں مجلس میں حاضر دس آدمیوں میں سے ایک تھا میں ان سب سے کمسن اور چھوٹا تھا میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے حضرات نہیں بول رہے ہیں، تو میں خاموش رہا، جب وہ دونوں حضرات نہ بولے تو حاضرین نے عرض کیا اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بتا دیں کہ وہ کون سا درخت ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کھجور کا درخت ہے[1]

میں جب مجلس سے اٹھا تو اپنے والد حضرت عمرؓ سے کہا: ابا جان! خدا کی قسم میرے دل میں کھجور ہی کا درخت آیا تھا، تو انھوں نے کہا، پھر تم نے کہا کیوں نہیں؟ کس وجہ سے خاموش رہے؟ عرض کیا میں نے دیکھا کہ جب معمر حضرات نہیں بول رہے ہیں تو میں کیسے جرأت کروں؟ نہ حضرت ابوبکرؓ بولے نہ آپ بولے، اور میں کم عمر نوجوان، مجھے کہتے ہوئے شرم آئی اور کچھ کہنا اور بولنا پسند نہیں کیا، لہٰذا چپ رہا، حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم نے یہ بات بتا دی ہوتی تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند و محبوب

---

[1] کھجور کی ہر چیز انسان کے کام آتی ہے، ہر وقت ہرا بھرا رہتا ہے، پھل برابر دیتا رہتا ہے، مسلمان کا معاملہ بھی یہی ہے کہ وہ سراپا نفع اور ایثار و قربانی ہے، دوسروں کے لئے باعث رحمت ہے۔

۔مجھ کو کوئی بڑی دولت مل جاتی۔

اس حدیث سے معلوم ہونے والے تربیت کے مختلف طریقے

۱۔حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم حاضرین سے سوال کر کے ان کی سمجھ اور فہم کا اندازہ لگائے اور سوچنے اور توجہ کرنے کا شوق دلائے، اور پھر جو بات وہ نہ سمجھ سکیں ان کی وضاحت کرے اور ان کو سمجھائے۔

۲۔دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ علم کو سمجھنے پر آمادہ کیا جائے۔

۳۔مثالیں اور تشبیہات بیان کر کے ان کی سمجھ کو بڑھایا جائے، معانی کا نقشہ سامنے کر دیا جائے، تاکہ وہ ذہن میں بیٹھ جائے، اور کسی ایک ہی واقعہ پر قوت فکریہ کو مرکوز کر دیا جائے۔

۴۔کسی چیز کی کسی چیز سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ ہر اعتبار سے مشابہ ہو، اس لئے کہ مخلوقات میں سے کوئی چیز شرف انسانیت کی ہم پایہ نہیں ہو سکتی۔

۵۔بڑوں کا پاس ولحاظ اور شرم مستحب ہے جبکہ کوئی اہم مصلحت نہ فوت ہو رہی ہو، اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تمنا ہوئی کہ کاش ان کے بیٹے نے خاموشی نہ اختیار کی ہوتی۔

۶۔حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑوں کا احترام ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اور چھوٹا اپنے باپ کو آگے بڑھائے اس کے سامنے بات کرنے میں سبقت نہ

کرے، اس کی سمجھ میں جو کچھ آیا اس کو بیان کرنے میں جلدی سے کام نہ لے، چاہے اپنی بات کو صحیح ہی کیوں نہ سمجھ رہا ہو۔

۷۔حضرت امام مالکؒ نے اس حدیث سے یہ دلیل بھی دی ہے کہ دل میں اگر عمل خیر پر تعریف کا خیال پیدا ہو تو یہ قابل تنقید نہیں جبکہ یہ اللہ کے لئے ہو۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کے دل میں بات آئی کہ اگر عبداللہ بن عمرؓ نے دل کی بات بیان کر دی ہوتی تو ان کے لئے باعث شرف ہوتی۔

۸۔حضرت عمرؓ کی تمنا کا سبب خیر کی وہ فطری محبت تھی جس کو انسان اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے پسند کرتا ہے تاکہ بیٹے کی فہم وذہانت کی فضیلت بچپن ہی سے ظاہر ہو اور اس لئے بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کی قدر بڑھے شاید حضرت عمرؓ کا منشا یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ کے لئے اس وقت زیادتی فہم کی دعا فرماتے جیسا کہ عبداللہ بن عباس کے لئے دعا فرمائی تھی، جب انھوں نے اپنی سمجھ سے بلا کہے استنجاء کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے پانی رکھ دیا تھا، اس ذہانت اور فہم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی تھی کہ اے اللہ عبداللہ بن عباسؓ کو دین کی سمجھ دے اور معانی کو سمجھنے کی صلاحیت عطا فرما، حضرت عمرؓ کی تمنا کا یہی مطلب تھا۔

۹۔حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیٹا صحیح رائے قائم کرے تو باپ کو خوشی ہوتی ہے۔

۱۰۔حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ والد کی موجودگی میں جو بات اس کی سمجھ میں آئی ہے اس کا بیان کرنا ناپسندیدہ نہیں ہے، نہ اس میں بے ادبی ہے۔

۱۱۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ اپنے بڑوں اور بزرگوں سے کتنا شرم وحیا کرتے تھے، کہ بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

عقل کی رسائی کو سامنے رکھتے ہوئے تربیت دینا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ مخاطب کی عقل وسمجھ اور مزاجی کیفیت کے پیش نظر سوال وجواب کی صورت میں مخاطب کو سمجھاتے اور تربیت فرماتے تھے یہ طریقہ نہایت مؤثر ثابت ہوتا تھا تاکہ خوبصورت انداز میں غلط بات کو اس کے دل سے نکال دیں، یا حق بات کو جس کا مخاطب کی لت اور عادت کے پیش نظر اس کے دل سے نکالنا آسان ہوتا بڑی حکمت عملی کے ساتھ اس غلط بات کی نفرت اس کے دل میں بٹھا دیتے تھے، اس کی ایک حیرت انگیز مثال درج ذیل ہے۔

امام احمدؒ اور طبرانیؒ نے حضرت امامہ باہلیؓ سے روایت کی ہے کہ ایک نوجوان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے یہ سنتے ہی حاضرین اس کی طرف متوجہ ہوئے اور

اس کو ڈانٹا کہ (یہ کیا بدتمیزی کی بات کر رہے ہو) چپ رہو لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریب آجاؤ، چنانچہ وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آکر بیٹھ گیا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا یہ بتاؤ کیا تم اپنی ماں کے لئے زنا پسند کرتے ہو؟ اس نے برجستہ کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر قربان جاؤں، خدا کی قسم اس کو قطعاً پسند نہیں کروں گا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے ہی دوسرے لوگ بھی اپنی ماں کے لئے زنا کو نہیں پسند کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سوال فرمایا! کیا تم اپنی بیٹی کے لئے زنا پسند کرو گے؟ پھر اس نے جواب دیا، اللہ کے رسولؐ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جاؤں، میں اسے کسی طرح گوارہ نہیں کرسکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو لوگ بھی اس کو اپنی بیٹیوں کے لئے نہیں پسند کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا بتاؤ کیا تم اس کو اپنی بہن کے لئے پسند کرو گے؟ اس نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جاؤں میں اس کو کسی طرح نہیں گوارا کرسکتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے اس کو نہیں پسند کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سوال کیا اچھا بتاؤ اپنی پھوپھی کے لئے اس کو پسند کرو گے؟ اس نے پھر وہی جواب دیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر قربان جاؤں خدا کی قسم میں اسے کبھی گوارا نہیں کرسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسے ہی دوسرے لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کیلئے اس کو نہیں پسند کرتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوالات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے پھر پوچھا

کیا تم اپنی خالہ کے لئے اس کو پسند کرو گے؟ اس نے جواب دیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر قربان جاؤں اس کو کیونکر گوارہ کرسکتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو دوسرے لوگ بھی اپنی خالاؤں کے لئے اس کو نہیں پسند کرسکتے، اس کے بعد حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم نے اس پر ہاتھ رکھا، اور دعا فرمائی اے اللہ تو اس کے گناہ کو معاف فرمادے، دل کو پاک کردے، شرم گاہ کو محفوظ رکھ، راوی کا بیان ہے کہ وہ نوجوان اس کے بعد کسی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔

غور فرمایئے حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم نے اس نوجوان کے دل سے زنا کی علت کو کس حکمت عملی سے جڑ سے اکھاڑ دیا، اور یہ سب کرشمہ تھا نفسیاتی طور پر اس کے دل میں مثالوں کے ذریعہ زنا کی برائی کو بٹھانے کا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی قباحت و برائی اور زانی اور زانیہ کی وعید میں جو آیات نازل ہوئی ہیں ان کا ذکر نہیں فرمایا، اس خیال سے کہ اس وقت اس نوجوان کے ذہن کو اس طرح جھنکا دے کر اور اس کے فہم وادراک کو بیدار کر کے نصیحت کا یہ انداز وطریقہ زنا کی برائی کو اس کے دل سے زیادہ نکالنے والا ہے۔

اس پورے واقعہ میں اساتذہ اور داعیوں کے لئے کتنی بڑی رہنمائی ہے کہ حاضرین کے ماحول میں ان کی ذہنی سطح کا خیال رکھتے ہوئے ان کی سطح کے اسلوب وانداز میں بات سمجھائی جائے، جیسے اس نوجوان کو سمجھانے کی مثال اوپر گذری کہ حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم نے حلم وتدبر سے کام لیتے ہوئے کس خوبی سے اس کے دل میں زنا کی شناعت بٹھادی اور اس کو اس گناہ عظیم سے بچالیا۔

یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ عمل وعبادت میں تو ہم سنت رسول کو کسی حد تک اپناتے ہیں مگر حکیمانہ دعوت وتربیت کا خیال خال خال ہی ذہن میں آتا ہے بس ایک لفظ یاد ہے "کلمة حق عند سلطان جائر" موقع محل، مخاطب کو حکمت کے ساتھ متاثر کرنے کی فکر، اس سنت کو سوائے علماء ربانیین اور اولیاء عظام کے کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بظاہر کام بہت ہو رہا ہے لیکن چونکہ اسوۂ رسولؐ سے ہٹ کر ہو رہا ہے اس لئے اس کے وہ نتائج سامنے نہیں آتے جو آنے چاہئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی موازنہ

اور مثال کے ذریعہ تعلیم فرمایا کرتے تھے

تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم کبھی کبھی اگر بات کچھ پیچیدہ ہوتی اور واضح نہ ہوتی کہ فوراً سمجھ میں آجائے، اس کا حکم اچھی طرح ذہن نشین نہ ہوتا، سننے والا شک وتذبذب میں پڑ جاتا کہ کیا مطلب ہے آسانی سے سمجھ میں نہ آتا۔ تو موازنہ اور مثال کے ذریعہ آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم اس کا سمجھنا آسان بنا دیتے، جس سے شریعت کا منشأ ومقصد سمجھ میں آجاتا۔ شریعت کے وہ امور بھی ذہن میں اتر جاتے جو بہت غور وخوض کے بعد ہی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ بنو جہینہ کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، عرض کیا میری والدہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن حج کرنے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا، تو کیا میں ان کی

طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے فرمایا، ہاں، ماں کی طرف سے حج کرو، یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتا تو ادا کرتیں کہ نہ کرتیں؟ اس عورت نے جواب دیا، ہاں! قرض ادا کرتی، تو آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے فرمایا جب یہ ہے تو ماں پر جو اللہ کا حق ہے اس کو بھی ادا کرو، اللہ تعالیٰ کا حق پورا کرنا تو اور ضروری ہے۔

اسی طرح کی ایک روایت امام مسلمؒ نے بیان کی ہے جو انھوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے نقل کیا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! (سارا) اجر تو مالدار لوگوں نے حاصل کرلیا جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی نماز پڑھتے ہیں، جس طرح ہم روزہ رکھتے ہیں، وہ بھی روزہ رکھتے ہیں، لیکن اس سب کے ساتھ وہ اپنے فاضل مال کا صدقہ بھی کرتے ہیں (جو ہم نہیں کر سکتے) آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہ چیز نہیں مہیا کی ہے جس کو تم صدقہ کرو؟ ہر تسبیح (یعنی سبحان اللہ کہنا) صدقہ ہے، اللہ اکبر کہنا (اللہ کی بڑائی بیان کرنا) صدقہ ہے، اللہ کی حمد بیان کرنا صدقہ ہے، لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، اچھی بات کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے، اپنی بیوی سے مباشرت کرنا صدقہ ہے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول! بیوی سے اپنی نفسانی شہوت پوری کرے تو وہ بھی صدقہ ہے؟ (یہ کیسے) آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے سوال کیا کہ یہ بتاؤ اگر وہ اپنی اس خواہش کو حرام طریقہ سے پوری کرتا تو گناہ ہوتا کہ نہ ہوتا؟ تو جب اس نے حلال طریقہ سے اپنی خواہش پوری کی تو اس پر اجر کا مستحق ہوا۔

اس وقت آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے دونوں صورتوں کا عقلی موازنہ فرما کر بات کو ان کے سامنے واضح کردیا اور اچھی طرح سمجھ میں آگئی، اور اس طرح سمجھ میں آگئی جس کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے، شرعی طریقہ پر لطف و مزہ اٹھانے میں بھی ثواب ہے اور اس پر نیکیاں مرتب ہوتی ہیں۔

ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تازہ کھجور جب سوکھ جاتا ہے تو کیا کم ہوجاتا ہے (یعنی فائدہ کم ہوجاتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جزیرۃ العرب میں گذر رہی تھی، جو تازہ و سوکھے کھجور کا ملک ہے، یہ ایسی بات ہے کہ شاید ہی کوئی اس سے واقف نہ ہو، تاہم اللہ کے رسول صلی اللہ وعلیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیا تازہ کھجور جب سوکھ جاتا ہے تو کم ہوجاتا ہے۔ اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم ان لوگوں کو بتادیں کہ رطب کے بدلہ تمر یا تمر کے بدلہ رطب دینا اسی وجہ سے منع ہے کہ تمر کی افادیت و قیمت رطب کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے لہٰذا دونوں کا ایک دوسرے کے بدلہ برابر مقدار میں بیچنا بھی جائز نہ ہوگا۔ چونکہ اس طرح بیچنے کی باریکی ان پر واضح نہیں تھی اس لئے آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے بات کو اچھی طرح سمجھا دیا پھر آخر تک اسی قاعدہ پر عمل رہا۔

تشبیہ اور مثالوں کے ذریعے

تعلیم وتربیت کرنا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بات کو اچھی طرح سمجھانے اور ذہن نشیں کرانے کے لئے اکثر کسی چیز کی مثال بیان کر کے یا تشبیہ دے کر بات واضح کرنے کا حکیمانہ انداز اپناتے تھے، مثالیں ایسی چیزوں کی دیتے تھے جن کو لوگ دیکھتے رہتے ہوں یا جن کا مزہ چکھتے رہتے ہوں، وہ چیزیں ان کو محسوس ہوتی ہوں اور مل بھی سکتی ہوں، اس انداز سے آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم جو چیز سمجھانا چاہتے اس کو اس طرح آسان بنا دیتے تھے کہ طالب علم فوراً سمجھ جائے، آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم جو بات سکھانا یا جس چیز سے ڈرانا چاہتے تھے وہ مکمل طور پر واضح ہو جاتی تھی۔

علماء بلاغت اس پر متفق ہیں کہ پوشیدہ معانی اور جلد نہ سمجھ میں آنے والی باریک باتوں کو سمجھانے میں مثالوں کا بیان کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے، چنانچہ خود اللہ رب العالمین نے قرآن کریم میں کثرت سے مثالیں بیان فرمائی ہیں لہٰذا حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے مواعظ وگفتگو میں قرآن کریم ہی کی اقتدا فرمائی ہے۔

بہت سے لوگوں نے حدیث پاک کی مثالوں کو کتابی صورت میں جمع کر دیا ہے، مثلاً حافظ ابوالحسن عسکری (م ۳۱۰ ھ) اور ابواحمد عسکری، اور قاضی ابومحمد الحسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمذی، ان کی کتاب طبع ہو چکی ہے اور اس کا حصول آسان ہے۔ صحاح ستہ اور سنن ومسانید میں ان حدیثوں کی بڑی تعداد مذکور ہے انھیں احادیث میں ذیل کی حدیثیں بھی ہیں۔

ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مسلمان کی مثال جو قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے "اُترجہ[1]" کی طرح ہے کہ کھانے میں بھی میٹھا ہے اور اس کی خوشبو بھی اچھی ہے، اور اس مسلمان کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا، کھجور کی طرح ہے کہ اس کا مزہ تو اچھا ہے لیکن اس میں خوشبو نہیں ہے اور وہ بدکردار شخص جو قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال "ریحانہ[2]" کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو تو اچھی ہے لیکن مزہ کڑوا ہے، اور اس بدکردار شخص کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا "حنظلہ[3]" کی طرح ہے کہ اس کا مزہ بھی خراب ہے اور اس میں کوئی خوشبو بھی نہیں ہے۔

نیک شخص کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو مشک بیچنے والے کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے کہ اگر وہ تمھیں کچھ بھی نہ دے تو خوشبو تو حاصل ہی ہوگی،

---

[1] عرب کا ایک پھل ہے، جس کے مختلف علاقوں میں مختلف نام ہیں۔ [2] یہ بھی عرب کا ایک پھل ہے۔
[3] ایک قسم کا کڑوا اور بدبودار پھل۔

اور برے آدمی کے پاس بیٹھنے کی مثال لوہار کی بھٹی کی طرح ہے کہ اگر کپڑے نہ کالے ہوئے تو دھواں تو لگے گا ہی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عام فہم اور بلیغ مثال میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ نیک کاموں کا شوق دلایا گیا ہے اور برے کاموں سے بچنے کی زبردست تنبیہ ہے۔

ایسی عام فہم مثال دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا کہ مخاطب کی سمجھ میں فوراً آجائے، حدیث میں نیک لوگوں کو اہل اللہ اور علماء دین کی خدمت میں بیٹھنے کی بھی ترغیب ہے اور اس کا شوق دلایا گیا ہے جس سے دینا وآخرت دونوں جہاں کا فائدہ ہوتا ہے اسی کے بالمقابل برے لوگوں کی صحبت سے روکا گیا ہے اس کے برے نتائج سے ڈرایا گیا ہے، اسی انداز کی دوسری حدیث ہے جس کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے جس علم وہدایت کو لے کر بھیجا ہے، اس کی مثال اس زوردار بارش کی طرح ہے کہ جو زمین پر نازل ہوئی، زمین کے جس اچھے حصے پر پڑی اس نے پانی کو جذب کرلیا اور چارہ اور گھاس اگا کر سبزہ زار بن گئی۔ اور زمین کے جو حصے بنجر اور سنگلاخ تھے، انھوں نے پانی کو روک لیا، اس پانی سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہونچایا، پیا بھی اور کھیتی باڑی کی سینچائی کا بھی کام لیا، یہی پانی زمین کے اس حصہ کو پہونچا جو سطح چٹیل تھا، اس میں نہ پانی رکا اور نہ

کچھ سبزہ اگا، پہلی مثال اس شخص کی ہے جس نے دین کی سمجھ حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جو تعلیمات لے کر بھیجا ہے ان کو خود بھی سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا، دوسری مثال اس شخص کی ہے جس نے ہماری بات کو مانا لیکن عمل نہ کیا اس سے دوسروں کو فائدہ پہونچا اور خود کو کچھ نہ حاصل ہوا، تیسری مثال اس شخص کی ہے جس نے نہ سنا اور نہ مانا تو نہ خود کو فائدہ پہونچا نہ دوسروں کو فائدہ پہونچایا۔

شارحین نے لکھا ہے کہ جس طرح پانی سے مردہ زمین زندہ ہوجاتی ہے اسی طرح سے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مردہ دلوں کو زندہ کرتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سننے والوں کو مختلف زمینوں کی مثالیں دے کر سمجھایا، ان میں کچھ وہ ہیں جو عالم باعمل بھی ہیں اور دوسروں کو بھی سکھاتے اور ان کی تربیت کرتے ہیں، ان کی مثال زمین کے اس حصہ سے دی جس نے پانی کو جذب کرلیا اور اس سے لوگوں کو بھی فائدہ پہونچا اور زمین ہری بھری خوش منظر رہی۔

اور کچھ ایسے لوگ ہیں کہ انھوں نے علم تو خوب حاصل کیا مگر خود نہ عمل کیا، دوسروں کو سکھاتے رہے، ان کی مثال زمین کے اس حصہ سے دی جس میں پانی جمع تو ہوگیا لوگوں نے فائدہ اٹھایا مگر زمین خود ہری بھری اور شاداب نہ ہوسکی، اچھی زمین کی مثال رکھنے والے شخص ہی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے ہماری بات سنی اس کو سمجھا اور دوسروں کو بھی سمجھایا، کتنے ایسے لوگ ہیں کہ ان میں سمجھ ہے مگر سمجھ سے کام نہیں لیتے، کتنے تو ایسے ہیں کہ اپنے سے فائق سمجھ رکھنے والوں سے (عمل کی وجہ سے زیادہ سمجھ دار کہلانے کے لائق

ہیں)اور کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جو علم سنتے اور سیکھتے ہیں لیکن اس پر نہ عمل کرتے ہیں اور نہ دوسروں ہی کو سمجھاتے اور سکھاتے ہیں ایسے لوگوں کی مثال اس بنجر زمین کی طرح ہے جو چکنی ہے نہ پانی کو روکتی ہے نہ ہی جذب کرتی ہے بلکہ سب بہہ جاتا ہے اور زمین جیسی کی تیسی رہتی ہے۔

امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں، مثلاً مثال بیان کرنا علم سیکھنے سکھانے کی فضیلت، اور اس پر آمادہ کرنا علم نہ سیکھنے کی مذمت وغیرہ۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنے والا اور اس پر عمل کرنے کیساتھ اس کو مخالفوں کے خطرہ سے بچانے کی فکر نہ کرنے والا اور خطرہ میں دیکھتے ہوئے اس پر خاموش رہنے والا۔ ان تینوں کی مثال ایک ایسی کشتی کے دی جو سمندر میں چل رہی ہے، لوگ اس پر سوار ہوئے کچھ کو اوپر جگہ ملی کچھ کو نیچے، جن لوگوں کو نیچے جگہ ملی ہے وہ اوپر سے پانی لاتے ہیں پانی گرنے کی وجہ سے اوپر والوں کو ناگواری ہوتی ہے انھوں نے پانی لانے سے روکا، تو نیچے والوں نے چاہا کہ کہیں کشتی میں سوراخ کرلیں اور پانی لے لیا کریں ایک شخص نے کلہاڑی لیکر سوراخ کرنا شروع کیا تو اوپر والے آئے اور پوچھا یہ کیا کررہے ہو؟ تو اس نے جواب دیا آپ لوگوں کو ہم سے تکلیف پہونچتی ہے اور پانی ضروری ہے لہٰذا ہم نے نیچے سوراخ کرنا چاہا کہ یہیں سے پانی لے لیں، اب اگر اوپر والوں نے اس کو روکا تو اس کو بھی ڈوبنے سے بچالیں گے اور خود بھی بچ جائیں گے

لیکن اگر اس کو سوراخ کرنے دیا تو کشتی میں پانی بھر جائے گا وہ پانی میں ڈوب جائے گی، کشتی ڈوبے گی تو کشتی کے مسافر بھی ڈوب جائیں گے، یہ نسائی کی روایت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال بیان فرما کر یہ بات واضح فرمائی کہ اگر کچھ لوگ دینی احکامات پر خود تو عمل کرتے ہیں لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے نہ اس کی خلاف ورزی سے روکتے ہیں تو جب نافرمانوں پر عذاب آئے گا تو ان کے ساتھ یہ عمل کرنے والے بھی ہلاک ہوجائیں گے، لہٰذا خود دین پر عمل کے ساتھ دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے رہنا ضروری ہے۔

ایک اور حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو کبھی اس ریوڑ میں چلی جاتی ہے کبھی اس ریوڑ میں وہ یہ فیصلہ نہیں کرپاتی کہ کس ریوڑ کیساتھ رہے۔ جس کے نتیجے میں وہ ہلاک ہوجائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی زمین پر لکیریں بنا کر تعلیم دینے کا طریقہ اپناتے تھے

کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض معانی کو اچھی طرح سمجھانے کے لئے زمین اور مٹی پر لکیریں اور خاکہ بنا کر اس سے مدد لیتے تھے، اسی کی ایک مثال امام احمدؒ کی وہ روایت ہے جو انھوں نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن مسعودؓ سے روایت کی ہے اور ابو عبد اللہ مروزی نے کتاب ''السنۃ'' میں حضرت جابر اور ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنے سامنے بدست خود اس طرح -ا- ایک لکیر بنائی اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لکیریں اس کے دائیں جانب بنائیں اور دو لکیریں بائیں جانب =0= اور پھر فرمایا یہ شیطان کے راستے ہیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے =0= بیچ والی لکیری پر

اپنا ہاتھ رکھ کر یہ آیت کریمہ پڑھی۔

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

(سورہ انعام ۱۵۳)

ترجمہ۔ اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور، اور رستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) خدا کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان باتوں کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے۔ تاکہ تم پرہیزگار بنو۔)

امام بخاریؒ نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چوکور لکیر بنائی اور اسکے بیچ میں ایک لکیر بنائی جو دائرہ سے باہر نکلی ہوئی تھی اس کے بعد جو لکیر بیچ میں تھی اس کے اندر کی طرف چھوٹی چھوٹی لکیریں بنائیں اور فرمایا یہ لکیر جو بیچ میں ہے یہ انسان ہے اور اس کے چاروں طرف کا دائرہ اس کی موت ہے جو اس کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور بیچ والی لکیر کا جو حصہ باہر نکلا ہوا ہے وہ انسان کی امید ہے، اور اندر کی یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں جو بیچ والی لکیر کی طرف نکلی ہوئی ہیں۔ یہ آفتیں، بلائیں اور بیماریاں ہیں اگر وہ ایک سے بچ گیا تو دوسری مصیبت آجائے گی اور اگر ان سب سے بچ گیا تو بڑھاپا آجائے گا، (بڑھاپا والا لفظ بخاری کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔ یہ لفظ ہیثمی کی کتاب ''الفتح المبین'' میں بخاری کے حوالہ سے منقول ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کے سامنے جو خاکہ بنایا تھا اس سے

اس بات کی وضاحت فرمائی کہ انسان کی بڑی بڑی بہت سی تمناؤں کے درمیان کس طرح رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ اپنی تمنا پوری نہیں کر پاتا، کبھی اچانک موت آجاتی ہے، یا معذور بنا دینے والی بیماریاں اور پریشانیاں آجاتی ہیں کبھی موت تک پہونچا دینے والا سخت بڑھاپا آجاتا ہے، اس تمثیل کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تمنائیں کم کرنے اور اچانک آجانے والی موت کے لئے تیاری پر آمادہ کیا اور اس کی فکر کی تعلیم دی، اس دل لگتی تعلیم کا ذریعہ زمین اور مٹی تھی جیسا کہ نقشہ میں نظر آیا۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں بنائیں، اور لوگوں سے پوچھا تم جانتے ہو کہ یہ لکیریں میں نے کیوں بنائی ہیں؟ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں صحابہ کے اس جواب کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی سب سے افضل خواتین خدیجہؓ بنت خویلد، فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی تعلیم و تربیت میں

گفتگو اور اشارہ دونوں سے کام لیتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم و تربیت میں کبھی کبھی زبان سے وعظ و نصیحت کے ساتھ ساتھ اپنے دونوں دست مبارک کے اشارہ سے بھی کام لیتے تھے، تا کہ مقصد واضح ہو جائے، جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیان فرمارہے ہیں اس کی اہمیت سے سامعین بخوبی واقف ہو جائیں، اس انداز کی چند حدیثیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

مسلمؒ و بخاریؒ نے (صاحب کتاب نے الفاظ بخاری کے نقل فرمائے ہیں) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان کے لئے دیوار کی طرح ہوتا ہے کہ دیوار کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط و مستحکم بناتا ہے۔ یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے اشارہ فرمایا کہ اس طرح مسلمان مسلمان

سے جڑا رہتا ہے۔ (ایک دوسرے سے کٹتا نہیں)۔

امام مسلم نے حجۃ الوداع کے موقع کی جابر بن عبداللہؓ کی طویل حدیث بیان کی ہے جس میں آپ نے فرمایا۔ اگر اس صورت حال کا پتہ مجھے پہلے سے ہوتا تو میں اپنے ساتھ ھدی (یعنی قربانی کا جانور) نہ لاتا اور میں اس کو عمرہ بنا دیتا یعنی تمتع کرتا۔ لہٰذا تم لوگوں میں سے جو قربانی کا جانور نہ لایا ہو، وہ احرام کھول دے، عمرہ کی نیت کرلے۔ (یہ سنکر) حضرت سراقہ بن مالک بن جعشمؓ اٹھے اور عرض کیا اللہ کے رسولؐ! کیا یہ اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل فرمایا اور فرمایا حج میں عمرہ بھی شامل ہوگیا، اسی سال نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے۔

صاحب کتاب عبدالفتاح ابوغدہؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں حج کے زمانہ میں بھی صرف عمرہ کی نیت کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ حج کے موقع پر صرف عمرہ کی نیت کرنے کو ممنوع سمجھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی کا ابطال فرمایا ہے اور دوسرے مطالب بھی بیان کئے گئے ہیں جن کو اہل علم امام نووی کی شرح مسلم میں دیکھ سکتے ہیں۔

امام بخاریؒ نے سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں (شہادت اور بیچ والی انگلی کو اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس طرح قریب ہوں گے دونوں انگلیوں میں تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔

اس حدیث کے اندر جس میں ان تین بچوں کا ذکر ہے کہ انھوں نے پالنا (بچوں کا جھولا) میں گفتگو کی جس کو بخاریؒ مسلمؒ نے (صاحب کتاب نے الفاظ بخاری کے لئے ہیں) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے، اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، حضرت عیسیٰ بن مریم، جریج راہب کی پاکدامنی کی شہادت دینے والے کا ذکر کیا پھر فرمایا۔

بنی اسرائیل کی ایک عورت تھی جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی اسی اثنا میں بہت بنا سنورا اور گھوڑے پر سوار ایک شخص گذرا۔ اس کو دیکھ کر عورت بولی اے اللہ تو ہمارے بیٹے کو بھی ایسا ہی باعزت بنا، بچے کے کان میں جب ماں کی یہ آواز پڑی تو وہ دودھ پینا چھوڑ کر سوار کی طرف متوجہ ہوا اور بولا اے اللہ تو مجھے اس جیسا نہ بنا، پھر دودھ پینے لگا۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جیسے میں اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انگلی چوستے ہوئے دیکھ رہا ہوں (حدیث بیان کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کے دودھ پینے کی کیفیت کو اپنی انگلی چوس کر بیان کیا تھا)۔

تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ ایک باندی کو مارتے اور گھسیٹتے ہوئے لے کر گذرے یہ منظر دیکھ کر اس عورت نے کہا اے اللہ تو ہمارے بچے کو ایسا نہ بنا، پھر بچے نے دودھ پینا چھوڑ کر کہا اے اللہ تو مجھے اس باندی جیسا بنا، عورت نے بچے سے پوچھا ایسا کیوں کہا! بچے نے جواب دیا شہسوار ایک ظالم شخص ہے اور یہ باندی مظلوم ہے اس پر چوری اور زنا کا جھوٹا الزام لگایا جارہا ہے۔ حالانکہ اس نے نہ چوری کی ہے

نہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے، وہ مظلوم کہہ رہی تھی میرے لئے اللہ کافی اور وہ بہترین کار ساز ہے۔

(حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ دنیاوی جاہ وجلال، زیب وزینت اور آن بان جو محض تکبر اور شان جھاڑنے کے لئے ہو، آخرت میں اس کی کوئی قیمت نہیں بلکہ وبال جان ہے، اس عورت کی نظر دنیا پر تھی اس لئے اس نے اپنے بچے کے لئے اس شہسوار جیسی عزت کی تمنا کی۔ بچہ جو معصوم تھا اللہ تعالیٰ نے اس پر حقیقت کھولدی اور دودھ پینا چھوڑ کر اس سے پناہ چاہی۔ باندی مظلوم و متہم تھی ایسوں کا آخرت میں بڑا مرتبہ ہے اس لئے بچے نے آخرت کے پیش نظر اس باندی جیسا بننے کی تمنا کی، کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے درس وعبرت کے لئے کہ لوگوں کی آنکھیں کھلیں ایسے واقعات پیش آتے ہیں ورنہ عام قانون خداوندی کے اعتبار سے اس بچہ کے بولنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا)۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے بیان کیا کہ اسی اثنا میں کہ ایک دن ہم قریش کے تقریباً ۸۰ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے غیر قریشی ایک بھی نہیں تھا، اس دن ان لوگوں جیسے حسین چہرے ہم نے کبھی اور نہیں دیکھے تھے۔

ان لوگوں نے عورتوں کا تذکرہ چھیڑا اور ان کے بارے میں باتیں شروع کیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی باتوں میں شریک ہو گئے حتیٰ کہ میری خواہش ہوئی کہ آپ خاموش ہو جاتے، آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے اشهد أن لا اله پڑھا پھر فرمایا۔

اے اہل قریش اس کلمہ کی لاج رکھنے کے اہل تم ہو، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو اور اگر تم نافرمانی کرو گے تو اللہ تمہاری طرف ایسے شخص کو بھیجے گا جو تمہاری چمڑی ادھیڑ لے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک ٹہنی تھی اس کا چھلکا اتارتے ہوئے اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرح! چھلکا نکل جانے کے بعد وہ چھڑی سفید و چمکدار ہو گئی۔

امام مسلمؒ اور ترمذیؒ نے سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا، میں نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہم سے ایک ایسی بات بتادیں جس کو ہم مضبوطی سے پکڑ لیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا تم کہو میرا رب اللہ ہے۔ پھر اسی پر جم جاؤ، دوبارہ پھر میں نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میرے بارے میں کس چیز کا سب سے زیادہ خطرہ محسوس فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا یہ ہے سب سے خطرہ کی چیز۔

(ہم ذرا بھی غور کریں تو رحمۃ للعالمین کے اس ارشاد کی تصویر سامنے آجاتی ہے بالخصوص ہمارے اس زمانہ میں لوگ زبان کے بارے میں کس قدر غیر محتاط ہو گئے ہیں اور بے بات کی بات پر محض شکوک وشبہات کی بناء پر ایسی بات کہہ دیتے ہیں جس سے کسی بھلے اور شریف آدمی کی عزت خاک میں مل جاتی ہے، اور اکثر تو غیر محتاط گفتگو یا جھوٹ وبہتان کے سبب فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے ایسی کہ پوری پوری

قوم کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے، گھر اور خاندان کا تو ذکر ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو
اپنی زبان کو قابو میں رکھنے کی توفیق بخشے)۔

دار قطنی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم نحر کو سوال کیا گیا، اگر کسی نے اعمال حج میں کچھ تقدیم وتاخیر
کردی تو کیا ہوگا؟ کیا حج ادا ہو جائے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دو مرتبہ فرمایا۔ کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں۔

امام مسلمؒ نے مقداد بن اسودؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ میں نے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن سورج مخلوق سے بہت
قریب کردیا جائے گا، یہاں تک کہ ان سے ایک میل یعنی سرمہ دانی کی سلائی کے
قریب ہوگا۔ (مقصود بہت قریب ہونا ہے) اس وقت لوگ اپنے اپنے اعمال کے
اعتبار سے پسینے کے اندر ہوں گے، کسی کا پسینہ اس کے ٹخنوں تک ہوگا، کسی کا گھٹنوں
تک ہوگا، کسی کا کمر تک ہوگا، اور کسی کے منہ تک آجائے گا، یہ فرماتے ہوئے حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔

حافظ ہیثمی نے "**موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان**" جو صحیحین پر
ہے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا سورج زمین سے قریب ہو جائے گا لوگ پسینہ پسینہ ہو جائیں گے، کچھ ایسے
لوگ ہوں گے جن کے ٹخنوں تک پسینہ آجائے گا۔ کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کے
گھٹنوں تک پسینہ ہوگا، کچھ کی رانوں تک پسینہ ہوگا، کچھ کی کمر تک پسینہ آجائے گا،

کچھ لوگوں کی گردن تک پسینہ آجائے گا، اور کچھ وہ لوگ ہوں گے جن کے منہ تک
پسینہ ہوگا، حضرت عقبہ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے منہ کو بند کرلیا، اور فرمایا میں نے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے اور کچھ ایسے بھی لوگ
ہوں گے کہ پسینہ ان کو ڈھک لے گا یعنی کمر سے اوپر ہو جائے گا، اور اپنے دست
مبارک سے سر کے اوپر اشارہ کر کے بتایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا
ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جس چیز سے روکنا ہوتا
تو بطور تاکید اس کو ہاتھ میں اٹھا کر دکھاتے

کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز سے روکنا ہوتا اس کو اپنے دست مبارک میں لیتے اور حاضرین کو دکھا کر ان کو اس سے روکتے، یعنی زبان سے بھی منع فرماتے اور آنکھوں سے اس کو دکھا بھی دیتے اس انداز سے بات پوری طرح دل میں اتر جاتی اور اثر انداز ہوتی اور اس کی حرمت کھل کر سامنے آجاتی۔

ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ میں ریشم لیا اور دائیں میں سونا لیا، اور پھر دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر لوگوں کو دکھا کر فرمایا یہ دونوں چیزیں ہماری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور ان کی عورتوں کے لئے جائز ہیں۔

امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کے اونٹ کے پہلو سے اون لیتے اور فرماتے کہ اس مال غنیمت میں ہمارا اتنا ہی حق ہے جتنا تم میں سے کسی کو ہے، دیکھو مال غنیمت میں خیانت سے بہت دور رہو کہ مال غنیمت میں خیانت قیامت کے دن اس خیانت کرنے والے کے لئے ذلت و رسوائی کا سبب ہوگا۔ مال غنیمت میں سوئی دھاگہ، یا اس سے بھی کمتر درجہ کی چیز ہو تو اس کو حاضر کرو، اللہ کی راہ میں دور نزدیک سفر و حضر ہر حال میں جہاد کرو کہ جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جہاد کے ذریعہ اللہ فکر و غم کے جھمیلوں سے بچاتا ہے، شرعی حدود کو اپنے پرائے سب پر جاری کرو، اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی

صحابۂ کرامؓ کے سوال کئے بغیر خود سے کسی بات کو سمجھانا شروع فرمادیتے تھے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات صحابۂ کرامؓ کے پوچھے بغیر خود سے کوئی بات سمجھانا شروع فرمادیتے تھے، خاص طور سے کسی اہم بات کے بارے میں جو عام طور پر ہر ایک کے ذہن میں نہیں آتی، ادھر ذہن نہیں جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شبہ والی بات اس کے دل میں پیدا ہونے سے پہلے ہی سے بتادیتے تھے کہ کہیں خیال آئے اور وہ دل میں سما جائے اور اپنا برا اثر ڈالے۔

امام بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے فلاں فلاں چیزیں کس نے پیدا کیں؟ اسی طرح کی بہت سی باتیں کر کے اخیر میں کہتا ہے کہ اچھا تو پھر بتاؤ تمہارے خدا کو کس نے پیدا کیا؟ تو جس کے دل میں شیطان یہ

سوال پیدا کرے وہ فوراً اعوذ باللہ کہے اور اس بارے میں سوچنا بند کردے، اور اللہ کی پناہ میں آجائے۔

دراصل شیطان بندۂ مومن کے دل میں اس طرح کا خیال اور وسوسہ ڈال کر اس کے ذریعہ اس کے دین اور عقل دونوں کو برباد کردینا چاہتا ہے، لہٰذا جب دل میں ایسا خیال آئے تو اس کی طرف سے ذہن پھیر کر دوسری باتوں میں مشغول ہوجائے۔

خطابی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ جب شیطان مومن کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے گا اور وہ اعوذ باللہ کہے گا، اور اس بارے میں زیادہ سوچنے سے رک جائے گا تو شیطان چلا جائے گا، شیطان کے وسوسہ کی تو کوئی انتہا نہیں ہے، اب اگر اس وسوسہ کو ایک دلیل سے ختم کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ دوسرا شبہ اور وسوسہ دل میں ڈالے گا حتی کہ وہ آدمی کو لاجواب کر کے حیرت میں ڈال دے گا اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطان کی مکاری سے اپنی حفاظت میں رکھے[1]

اس سلسلہ میں دارقطنی وغیرہ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ سے ایک روایت کی ہے (جو بہت عام فہم ہے اس کا نقل کردینا ہی عوام کے لئے کافی ہے) انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں فرض فرمادی ہیں ان کو ہرگز نہ چھوڑو، کچھ حدود و احکامات متعین فرمائے ہیں ان سے ذرا بھی تجاوز نہ کرو، کچھ چیزیں حرام فرمائی ہیں ان کے نزدیک مت جاؤ، اور کچھ

[1] مصنف کتاب نے اس عام فہم شرح کے بعد پھر کلامی انداز کی شرح شروع کردی ہے، جو عوام کے فہم سے بالاتر ہے لہٰذا اس کو چھوڑ دیا گیا۔

چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تم پر رحمت کے سبب سکوت اختیار فرمایا ہے یہ نہیں کہ ان کو بتانا بھول گیا ہے لہٰذا ان چیزوں کی بحث میں نہ پڑو۔

وہ مزید فرماتے ہیں کہ بلاوجہ کی باتوں میں بحث کرنا، مثلاً "غیب کے بارے" میں جس پر ہمیں ایمان لانے کا حکم ہے اور اس کی کیفیت نہیں بیان کی گئی ہے، بحث کرنا شک وشبہ میں ڈالنے والی چیز ہے آخر سوچتے سوچتے آدمی شیطان کے دھوکہ میں آکر غیب کو غلط کہنے اور انکار کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اسی لئے ابن اسحاق نے فرمایا خالق یا مخلوق کے بارے میں جو بات شریعت سے نہیں معلوم ہوئی ہے نہ سوچنا چاہئے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ﴾

اب اس پر غور کرنا کہ جمادات اینٹ پتھر ایسی چیزیں جن کو ہم بے جان سمجھتے ہیں وہ کیسے تسبیح بیان کرتی ہیں، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا تو سچ ہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اگرچہ علماء اس کو سمجھانے کے مختلف طریقے اختیار فرماتے ہیں جو سمجھ میں بھی آتا ہے لیکن اس بحث میں زیادہ نہ پڑنا چاہئے۔

امام ابوداودؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ آپس میں برابر ایک دوسرے سے سوال کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ یہ بات شروع ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ تو جس کے دل میں اس کا ذرا بھی خیال آئے فوراً کہے، میں اللہ پر ایمان لایا اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ جب وہ لوگ بات کرتے ہوئے یہ کہیں۔ اس وسوسہ کے

آتے ہی کہو اللہ اکیلا ہے، بے نیاز ہے (اس کی ذات وصفات میں اس کا کوئی ثانی نہیں) اس نے نہ کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا، اور نہ ہی اس کے جوڑ کا کوئی ہے، یہ کہہ کر اپنے بائیں طرف تین مرتبہ تھوتھو کرے (یعنی اس انداز سے تھوکے) اور شیطان کے دھوکہ سے پناہ مانگے۔

ابن حبان اپنی کتاب صحیح میں امیر علاء الدین فارسی کی ترتیب سے فرماتے ہیں کہ شروع میں معلم کا ایسی باتوں کا ذکر مباح ومناسب ہے جو ان مسائل کی طرف ذہن کو موڑتی ہوں جنھیں وہ اپنے شاگردوں کو سمجھانا یا آمادہ کرنا چاہتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد نکلے اور ظہر کی نماز پڑھائی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو منبر پر کھڑے ہوئے، اور قیامت کا ذکر فرمایا اور قیامت آنے سے قبل نہایت خوفناک حوادث کے پیش آنے کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ سے کوئی سوال کرنا چاہے کرے، خدا کی قسم جب تک میں منبر پر ہوں مجھ سے جو بات بھی پوچھوگے میں اس کا جواب دوں گا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال سن کر لوگ بے تحاشا رونے لگے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم باربار فرماتے مجھ سے پوچھو، مجھ سے پوچھو۔

چنانچہ عبداللہ بن حذافہؓ کھڑے ہوئے اور پوچھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تمہارے باپ

حذافہ ہیں ۱؎

اس روایت کو امام بخاری اور مسلم نے بھی ذکر کیا ہے الفاظ مسلم کے ہیں،

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، ظہر کی نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو منبر پر کھڑے ہوئے، اور قیامت کا ذکر فرمایا اور فرمایا قیامت آنے سے پہلے بڑے خوفناک واقعات پیش آئیں گے، پھر فرمایا جو کوئی مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا چاہے سوال کرے۔ خدا کی قسم جب تک میں اپنی جگہ کھڑا ہوں مجھ سے جو سوال بھی کروگے جواب دوں گا، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال سن کر لوگ بے تحاشا رونے لگے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے مجھ سے پوچھو، مجھ سے پوچھو، چنانچہ عبداللہ بن حذافہؓ کھڑے ہوئے اور سوال کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حذافہ۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار سوال فرمایا تو حضرت عمرؓ دوزانو بیٹھ گئے اور فرمایا ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کرلیا، اسلام کو اپنا دین مان لیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول مانا جب حضرت عمرؓ نے یہ بات فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریب تھا کہ تم ہلاک ہوجاتے

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے بارے میں ان کے پوچھنے کی وجہ یہ تھی کہ جب ان کی کسی سے لڑائی ہوجاتی تو وہ ان کو دوسرے باپ کی طرف منسوب کرکے ذلیل کرتے، طعنہ دیتے، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی عادت تھی۔

(عرب ایسے موقع پر اولیٰ کا لفظ بولتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دیوار کی سمت مجھ پر ابھی جنت اور دوزخ پیش کی گئی، آج جیسی ہلاکت وتباہی اور خیر ونعمت کبھی نہیں دیکھی۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے بارے میں امام مسلم نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن حذافہؓ کی والدہ نے عبداللہ بن حذافہؓ سے کہا تجھ سے بڑھ کر ماں کا بے وفا بیٹا میں نے آج تک نہیں دیکھا! کیا تمہیں یہ یقین آگیا کہ تمہاری ماں نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کا ارتکاب زمانہ جاہلیت کی عورتیں کیا کرتی تھیں کہ برسرعام تم اپنی ماں کو رسوا کرو؟ عبداللہ بن حذافہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی کالے غلام کی طرف منسوب کرتے تو میں اسی کو اپنا باپ یقین کرتا (حضرت عبداللہ ابن حذافہؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جھوٹا نہیں ہوسکتا)۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمایا کہ مجھ سے پوچھو، مجھ سے پوچھو تو حضرت عمرؓ دوزانو بیٹھ گئے اور عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانا اور اسلام کو اپنا دین تسلیم کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول یقین کیا۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دیوار کی سمت ابھی ابھی جنت اور دوزخ مجھے دکھائی گئی، آج جیسی نعمتیں اور مصیبتیں ہم نے کبھی نہیں دیکھیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سائل کے سوال کا جواب دیتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والے کے سوال کا جواب دیا کرتے تھے۔اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے شرعی احکام ومسائل اور دین کی باتوں کو صحابۂ کرامؓ کے سوال کے جواب میں سکھایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کہ جو مشکلات و پریشانیاں پیش آئیں ان کے بارے میں پوچھ لیا کریں۔ایسے ہی جو دینی فرائض اور شرعی مسائل نہ معلوم ہوں ان کو بھی معلوم کرلیا کریں۔

ابوداؤد نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے فرمایا کہ ناواقفیت وجہالت کا علاج سوال ہے۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾

(سو اگر تم کو علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو)

قرآن وحدیث میں جس سوال کی ممانعت آئی ہے وہ ایسے سوالات کے بارے میں ہے جو بلاوجہ کئے جاتے ہیں۔یا غیب کی باتوں کے بارے میں سوال کرنا جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان کی کیفیت کا جاننا ضروری نہیں ہے کہ سوال کیا جائے۔یا بلاوجہ محض بحث ومباحثہ کے لئے سوال کرنا یہ سب منع ہے،ضرورت کے مطابق سوال کرنا منع نہیں بلکہ اس کا حکم ہے۔جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا۔

صحابۂ کرامؓ کو جو سوالات مشکل معلوم ہوتے تھے،ان میں شک شبہ ہوتا تھا۔ان کو سمجھنے اور وضاحت کے لئے یا ایمان میں اضافہ کی غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے سوال پر کافی وشافی جواب دیا کرتے تھے جس سے ان کے دل مطمئن ہو جایا کرتے تھے۔

دینی باتوں کے سلسلے میں تو صحابۂ کرامؓ کے سوالات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات سے حدیث شریف کی کتابیں بھری ہوئی ہیں جنمیں سے کچھ احادیث کا ذکر اس کتاب میں مختلف جگہوں پر آیا ہے۔

امام مسلم نے نواس بن سمعانؓ کلابیؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بیان کیا ہے کہ میں مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سال رہا۔ہجرت کی نیت کرنے میں صرف یہ بات رکاوٹ بنی کہ پھر سوالات نہ کرسکوں گا۔اس لئے کہ مہاجرین ادب ورعب کی وجہ سے سوالات کرنے میں ،بہت محتاط تھے، چنانچہ ہم

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں سوالات کئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی اچھے اخلاق ہیں اور گناہ وہ ہے جس کی تمہارے دل میں کھٹک پیدا ہو۔ اور یہ ناپسند کرو کہ لوگوں کو اس کا علم ہو۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ مہاجرین سوال کرنے میں ادب واحتیاط سے کام لیتے تھے، اس لئے اس بات کے خواہشمند ہوتے تھے۔ کہ کوئی سمجھدار دیہاتی یا پردیسی آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرلے اور یہ حضرات مستفید ہوں۔ مہاجرین کو سوال کرنے سے روکا نہیں گیا تھا۔ بلکہ جب تک کوئی شدید ضرورت نہ ہو سوال کرتے ہوئے گھبراتے تھے جس کی تفصیلات احادیث کی شرحوں میں موجود ہیں سمجھنے کے لئے مختصراً اشارہ کردیا گیا کہ زیادہ تفصیل میں جانا علماء و محققین کا کام ہے۔

مسلم اور ابوداؤد نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے بیان کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں اسلمی کو بھیجا اور ان کے ساتھ ۱۸ عدد قربانی کے اونٹ بھیجے اسلمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ان میں سے کوئی اونٹ تھک گیا اور چلنے سے معذور ہوگیا تو کیا کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو ذبح کردینا۔ اور اس کے پاؤں میں لگے ہوئے لوہے کو (اونٹ کے پاؤں میں لوہا لگا دیا جاتا تھا جیسے یہاں گھوڑے کے پاؤں میں لگایا جاتا ہے) اس کے خون سے رنگ دینا۔ اس کے بعد اس کے منہ پر چھڑک دینا، اس کا گوشت نہ تم کھانا نہ تمہارے ساتھی کھائیں۔

امام بخاری ومسلم نے رافع بن خدیج سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ہمیں کل دشمن سے مڈبھیڑ کا اندیشہ ہے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اللہ کہہ کر جس چیز سے بھی ذبح کیا جاسکے ذبح کرو اور کھاؤ لیکن دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرنا۔ اس کی وجہ بعد میں بتاؤں گا۔ دانت سے اس لئے کہ ہڈی ہے اور ناخن سے اس لئے کہ وہ حبشی لوگوں کی چھری ہے[۱]

امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ اہل کتاب کے علاقہ میں رہتے ہیں (یعنی شام میں) تو کیا ان کے برتنوں میں کھانا کھاسکتے ہیں اور اس علاقہ میں شکار گاہیں بھی ہیں اپنے تیر سے شکار کرلیتا ہوں اور ایسے کتے سے بھی شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا نہیں ہوتا۔ اور اس کتے کے ذریعہ بھی شکار کرتا ہوں جو سدھایا ہوا ہوتا ہے، اس میں ہمارے لئے کون سا درست و بہتر ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک اہل کتاب کے علاقہ میں رہنے کا تعلق ہے تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ۔ اِلّا یہ کہ کوئی اور صورت نہ ہو۔ ایسی صورت میں اس برتن کو دھولو پھر اس میں کھاؤ اور رہا شکار کا معاملہ تو اگر بسم اللہ کرکے تیر سے شکار کیا ہے تب تو کھاؤ ایسے ہی سدھائے ہوئے کتے سے بسم اللہ کر کے شکار کیا ہے تو

---

[۱] لوگ زمانہ جاہلیت میں اس طرح ذبح کرتے تھے۔

اس کو بھی کھاؤ۔

ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم اہل کتاب کے پڑوس میں رہتے ہیں وہ اپنے برتنوں میں خنزیر پکاتے ہیں۔ اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ان برتنوں کے علاوہ برتن مل جائیں تو ان میں کھاؤ پیو۔ اور اگر دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کے برتنوں کو اچھی طرح دھو کر پھر اس میں کھاؤ پیو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سوال کرنے والے کے سوال سے زیادہ باتیں بتا دیتے تھے

کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والے کے جواب میں سوال سے زیادہ باتیں بتادیا کرتے تھے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کرتے جب محسوس فرماتے کہ سوال کرنے والے کو مزید باتیں بتانے کی ضرورت ہے وہ ان سے ناواقف ہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت اور سیکھنے و سمجھنے والوں کے ساتھ بے پناہ رعایت وخیال کی وجہ سے تھا۔

حضرت امام مالکؒ نے ''موطا'' میں روایت فرمایا ہے، اور ابوداؤد نے بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک شخص نے جو بنو مدلج سے تعلق رکھتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ سمندری سفر کرتے ہیں اور ساتھ میں پینے کا پانی کم رکھتے ہیں،

ئب اگر اس پانی سے وضو کرلیں تو پیاسے رہیں گے تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے سمندر کے مرے ہوئے (حلال) جانوروں کا کھانا بھی حلال ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بنو مدلج کے اس شخص کو جو بحری سفر زیادہ کیا کرتا تھا، سمندر کے پانی سے وضو کا بھی حکم بتایا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ ہوا کہ وہ سمندر کی مردار چیزوں کے بارے میں بھی شک وشبہ میں پڑے گا اور یہ ایسی چیز ہے کہ سمندری سفر میں اس کی ضرورت پڑتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں یہ بھی واضح فرمادیا کہ سمندری جانوروں میں سے جو حلال ہیں ان کا کھانا اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی جائز ہے چنانچہ اس سے زائد بات بھی فرمادی کہ اس کا مردار بھی حلال ہے۔

جواب میں یہ اضافہ ضروری تھا اس لئے کہ اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ سمندر میں کوئی چیز مر جائے تو بھی سمندر کا پانی پاک رہے گا، ساتھ ہی اس حلال مردار کے کھانے کا حکم بھی بتادیا کہ اس کا کھانا حلال ہے، اور اس کا جاننا ضروری ہے، اس لئے کہ مسافر کبھی ان چیزوں کو کھانے پر مجبور ہوتا ہے کبھی اختیاری طور پر اور کبھی مجبوراً کھانا پڑتا ہے، اس کو کھا بھی سکتا ہے اور مزید مدت کے لئے رکھ بھی سکتا ہے جیسی وہ ضرورت محسوس کرے اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا یہ انداز اچھی طرح تعلیم دینے کا لب لباب ہے جس کی معلم کو ضرورت ہوتی ہے۔

امام مسلم نے کتاب الحج میں باب "صحة حج الصبى وأجر من حج به" اور ابوداؤد اور نسائی نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے دوران حج اپنے بچہ کو اٹھایا اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس بچہ کا حج ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اور ثواب تم کو ملے گا۔

سائل کا جواب دینے کے بعد
بات کو ذہن نشیں کرنے کے لئے سائل سے سوال کرنا

کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والے کے سوال کو پھر اس سے پوچھتے تھے کہ تم نے کیا سوال کیا تھا؟ اس سے سوال کر کے علم کو محکم فرماتے تھے، تا کہ اس کا علم بڑھے یا جو کچھ اس نے پوچھا ہے وہ اچھی طرح اس کے ذہن میں بیٹھ جائے، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزید اس کی وضاحت فرمادیں، اس طرح کے اور بھی مصالح ہوتے تھے۔

امام مسلم اور نسائی نے حضرت قتادہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد اور اللہ پر ایمان یہ دونوں سب سے اچھے عمل ہیں۔

یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ

بتائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا تو قتل ہونا میرے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے اور اس طرح قتل ہوئے کہ صبر و برداشت سے کام لیا، ثواب کی امید میں جہاد کیا، دشمن کی طرف برابر بڑھتے رہے میدان چھوڑ کر بھاگے نہیں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا سوال کیا تھا؟ اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو یہ قتل ہونا میرے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں جبکہ تم صبر سے کام لو اور صرف اللہ کی رضا و ثواب کے لئے لڑو، دشمن کی طرف بڑھتے جاؤ، میدان چھوڑ کر بھاگو نہیں، ہاں اگر کسی کا قرض باقی ہے اور دینے کی نیت نہیں تو یہ نہ معاف ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا ہے۔

شیخ حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں اسی طرح سے دوسرے حقوق العباد کا معاملہ بھی ہوگا کہ وہ نہ معاف ہوگا۔ قرض کا ذکر فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے حقوق العباد کی طرف اشارہ کر دیا کہ شہادت سے صرف حقوق اللہ معاف ہوں گے۔

سوال کرنے والے کو جو اس نے سوال کیا ہے

اس کے علاوہ دوسری بات کی طرف متوجہ کرنا

کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرنے والے کو بڑے حکیمانہ انداز میں دوسری بات کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! قیامت کب آئے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے، حضرت انسؓ نے جواب دیا اللہ کے رسول قیامت کے لئے ہم نے بہت سی نمازیں روزے، خیر خیرات تو تیار نہیں کئے ہیں، البتہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ضرور رکھتا ہوں (یہ جواب سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت رکھتے ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کے سوال کو جو قیامت آنے سے

متعلق تھا جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے (کسی اور کو اسے نہیں بتایا ہے) دوسری طرف موڑ دیا جس کی انھیں زیادہ ضرورت تھی اور اس میں ان کا زیادہ فائدہ تھا، وہ یہ کہ قیامت کے لئے اعمال صالحہ تیار کریں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا تم نے اسکی تیاری کیا کی ہے؟ تو جواب دیا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت میں تم اسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت کرتے ہو۔

جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کے سوال سے زیادہ بات بتائی کہ قیامت کے دن آدمی انہیں لوگوں کے زمرہ میں رکھا جائے گا جن کے ساتھ رہتا ہے اور جن سے محبت کرتا ہے، اس حدیث میں آدمی کے لئے تعلیم اور بجھاوا ہے بلکہ ڈرایا گیا ہے کہ دنیا میں غلط ساتھیوں کے ہمراہ وقت نہ گزارے ان میں نہ اٹھے بیٹھے کہ اس کے نتیجہ میں وہ قیامت کے دن وہاں غلط ساتھیوں کے ساتھ ہوگا۔

سائل کے سوال کو موڑنے کا یہ انداز حکیم کا حکیمانہ انداز کہلاتا ہے، سائل کے پوچھے بغیر اس کو وہ بتا دیا جاتا ہے جو اس کے لئے زیادہ ضروری اور جو سوال اس نے کیا ہے اس سے زیادہ اہم اور نفع بخش ہے۔

بخاریؒ اور مسلمؒ کی ایک دوسری روایت میں ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اس نے کہا! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم محرم (یعنی احرام باندھنے والا) کیا پہنے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا، قمیص نہیں پہنے گا، نہ عمامہ باندھے گا، نہ ہی پاجامہ پہنے گا، نہ

ٹوپی لگائے گا، نہ ایسا کپڑا پہنے گا جس میں زعفران لگا ہو، اگر جوتا نہ ملے تو خفین پہن لے لیکن اس کو اوپر سے کاٹ کر ٹخنوں تک کردے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا پوچھا گیا تھا کہ محرم کیا پہنے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں تفصیل بیان فرمائی جس میں وہ چیزیں معلوم ہو گئیں جو محرم کو پہننا درست نہیں ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا اس نے پوچھا تھا اس سے زیادہ بیان فرما دیا جوتا نہ ہونے کی صورت میں خف پہننے کو بتایا۔ یہ صورت مجبوری کی صورت میں بیان فرمائی، جس کا سوال سے ہی تعلق ہے چنانچہ فرمایا اگر جوتا نہ میسر ہو تو خفین پہن لے لیکن اس کو کاٹ کر ٹخنوں تک کر دے۔

اسی طرح کی ایک اور روایت ہے، جس کو بخاریؒ و مسلمؒ ہی نے روایت کیا ہے۔ امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی مال غنیمت کی خاطر جہاد کرتا ہے ایک شخص بہادری کی شہرت کے لئے جہاد کرتا ہے۔ ایک اپنی بہادری دکھانے کے لئے جہاد کرتا ہے ان میں کس کا جہاد اللہ کی رضا کے لئے ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی نیت سے جہاد کرے وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

اس حدیث میں اصل سوال کا جواب دینے کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے ذہن کو دوسری طرف موڑ دیا۔ اسلئے کہ سائل کے سوال کا جواب ہاں یا

نہیں میں دینا مناسب نہیں تھا، جواب دینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی اس شکل کا جواب دینے سے احتراز فرمایا اور جنگ کرنے والے کے حال کو بیان کیا اور سائل کو بتایا کہ اصل اعتبار نیت وارادہ کا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا جو شخص اللہ کے دین کو بلند کرنے کی نیت سے جنگ کرے اس کی جنگ اللہ کے راستہ میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب نہایت بلیغ اور مختصر ہے۔ اس حدیث کو "جوامع الکلم" میں شمار کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں یہ فرماتے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے ان میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے کبھی کبھی غصہ اور اللہ کی حمیت بھی اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے جو فی سبیل اللہ شمار کی جاتی ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا لفظ استعمال کیا جس میں سائل کا جواب بھی آ گیا۔ اور مزید باتیں بھی آ گئیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر واضح بات کو واضح بھی فرمایا اور بات اچھی طرح سمجھا بھی دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی واقف سے

بطور امتحان سوال کرتے تاکہ صحیح جواب پر
ہمت افزائی فرمائیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بعض صحابہ کرامؓ کا امتحان لیتے اور کسی علمی چیز کے بارے میں ان سے سوال کرتے تاکہ ان کی ذہانت وواقفیت معلوم کریں، وہ اگر صحیح جواب دیتے تو آپ ان کے سینے پر ہاتھ رکھتے اور تعریف وہمت افزائی کرتے یہ محسوس کرانے کے لئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے اور ان کے اچھے جواب کی قدر دانی فرماتے ہیں، اس سلسلہ کی کچھ حدیثیں درج ذیل ہیں۔

امام مسلم نے حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کیا ہے۔ جن کی کنیت ابومنذر تھی۔ وہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے سوال کیا کہ ابومنذر تمہارے نزدیک قرآن کریم کی کون سی آیت بڑی اور اہم ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ابومنذر کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک اللہ کی کتاب میں کون سی آیت سب سے عظیم الشان ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا "اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ" فرماتے ہیں کہ جواب سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر دست مبارک مارا اور فرمایا ابومنذر علم تمہیں مبارک ہو۔

ابوداؤد، ترمذی، دارمی، ابن سعد اور قاضی وکیع نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم نے جب مجھے یمن بھیجا تو مجھ سے فرمایا کوئی مقدمہ جب تمہارے سامنے آئے گا تو فیصلہ کس طرح کرو گے؟ میں نے عرض کیا قرآن کریم کی آیات سے فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کریم میں مقدمہ سے متعلق کوئی آیت نہ ملی تو؟ میں نے عرض کیا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر سنت سے بھی کوئی رہنمائی نہ ملی تو؟ میں نے عرض کیا میں اپنی سوجھ بوجھ اور رائے سے فیصلہ کروں گا، غور وفکر میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا، معاذ بن جبلؓ نے فرمایا اس جواب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: تمام حمد وثنا اس خدائے پاک کی ہے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو ایسی توفیق دی جو رسول اللہ کے منشاء کے مطابق ہو۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل پر خاموش رہنا بھی تعلیم کا ایک طریقہ تھا

یہ بھی سنت کی ایک قسم ہے جس کو محدثین اپنی محدثانہ اصطلاح میں "تقریر" کہتے ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابیؓ کا جو عمل یا قول سامنے آتا اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی اختیار فرماتے یا اس پر اپنی پسند ظاہر فرماتے تو یہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس قول وعمل کی اباحت کا بیان ہوتا، بہت سے علمی امور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طریقہ سے لئے گئے ہیں، یہاں صرف دو حدیثوں کا ذکر کردینا کافی ہے۔

امام بخاریؒ نے ابوجحیفہ وہب بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ اور ابودرداءؓ میں بھائی چارہ کرایا۔ ایک دن حضرت سلمانؓ ابودرداءؓ سے ملنے گئے تو ام درداءؓ کو بوسیدہ اور پرانے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا، ان سے پوچھا کیا بات ہے اس خستہ حالی میں کیوں ہو؟ انھوں نے جواب دیا آپ کے بھائی ابودرداءؓ کو دنیا سے کوئی مطلب ہی نہیں ہے (ان کا مقصد تھا

کہ عورتوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں بس ہر وقت عبادت ہی میں لگے رہتے ہیں) کچھ دیر بعد حضرت ابودرداءؓ نے حضرت سلمانؓ کے لئے کھانا تیار کیا اور حضرت سلمانؓ سے کہا آپ کھائیے میں روزے سے ہوں، حضرت سلمانؓ نے فرمایا جب تک آپ نہ کھائیں گے میں نہیں کھاسکتا، چنانچہ ابودرداءؓ نے کھانا کھایا۔ پھر جب رات ہوئی تو ابودرداءؓ (نوافل پڑھنے کے لئے) اٹھے، حضرت سلمانؓ نے فرمایا سوجائیے چنانچہ وہ سوگئے، اس کے (کچھ دیر بعد) پھر تہجد کے لئے اٹھے، حضرت سلمانؓ نے کہا سوجائیے، پھر جب رات کا آخر وقت آیا تب حضرت سلمانؓ نے کہا اب اٹھئے اور پھر دونوں حضرات نے نماز پڑھی، اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے فرمایا۔ آپ پر آپ کے مالک کا حق ہے، اپنے نفس کا حق ہے، گھر والوں (اہلیہ وغیرہ) کا حق ہے۔ ہر صاحب حق کا حق ادا کیجئے۔

اس کے بعد ابودرداءؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا واقعہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمانؓ نے سچ کہا۔

ابوداؤد نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا ایک مرتبہ شدید سردی کی رات میں مجھے غسل جنابت کی (احتلام کی وجہ سے) ضرورت پیش آگئی، یہ غزوہ ذات سلاسل کا واقعہ ہے میں ڈرا کہ اگر غسل کیا تو موت کا خطرہ ہے، چنانچہ تیمم کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، ہمارے ساتھیوں نے اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

پوچھا عمروؓ! تم نے حالت جنابت میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی؟ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا عذر بیان کیا اور عرض کیا: میں نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا ہے۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور کچھ فرمایا نہیں۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکرانا جواز پر دلالت کرتا ہے)۔

تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں پیش آنے والی

مناسبت سے فائدہ اٹھانا

حضور صلی اللہ وعلیہ وسلم سامنے آجانے والے واقعہ سے ربط قائم کر کے جو چیز آپ سمجھانا چاہتے تھے، اور جو علم لوگوں کو سکھانا اور عام کرنا چاہتے تھے اس کو غنیمت جان کر لوگوں کو اس طرح تعلیم دیتے کہ دل ودماغ میں اتر جائے۔

امام مسلمؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے کسی گاؤں سے آتے ہوئے بازار سے گذرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں صحابۂ کرامؓ تھے، اس اثنا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر چھوٹے چھوٹے کانوں والے بکری کے ایک مردار بچے کے پاس سے ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لیا دونوں کان پکڑے پھر فرمایا، تم میں سے اس کو ایک درہم میں کوئی خریدے گا؟ صحابہ کرامؓ نے کہا درہم کیا ہم تو کچھ بھی دے کر اس کو نہ خریدیں گے، ہم اس کو لے کر کریں گے کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ

یہ تم کو مل جائے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی اس کے کان کا چھوٹا ہونا عیب تھا، تو مردہ ہونے کی صورت میں کیا خریدیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی قسم اللہ کے نزدیک دنیا تمہارے لئے اس سے بھی کم قیمت ہے"۔

مسلم و بخاری نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی آئے، اچانک قیدیوں میں ایک عورت بھاگتی دوڑتی نظر آئی اس کے دونوں پستان دودھ سے بھرے ہوئے تھے، اتنے میں اس کو قیدیوں میں ایک بچہ مل گیا جو اسی کا تھا، اس عورت نے اس کو اٹھایا، سینے سے چمٹالیا اور اس کو دودھ پلایا (یہ منظر دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ تصور کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈالنے پر آمادہ ہو سکتی ہے، ہم لوگوں نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے بس بھر ایسا نہیں کر سکتی، تب آپ نے فرمایا تو یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس ماں سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، اس حدیث میں یہ مثال محض تقریب فہم کے لئے ہے اس لئے کہ عقل انسانی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچے کے گم ہو جانے کی اس بے قراری اور پھر اس کے مل جانے پر جھپٹ کے سینے سے لگا لینے اور دودھ پلانے کے منظر کو مثال کے طور پر بیان کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت بے کراں کو یاد دلایا تا کہ یہ واضح فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اول اول نہیں بیان فرمایا بلکہ اس مؤثر اور دل میں

گداز پیدا کر دینے والے منظر کو دکھا کر اللہ کی رحمت کا ذکر فرمایا، یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور اپنی مخلوق کے ساتھ لطف و کرم کی کھلی ہوئی آنکھوں دیکھی مثال تھی جس سے اس کی رحمت دل میں جاگزیں ہو جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ (بقرہ۔۲۰۷)

ترجمہ۔ خدا بندوں پر بہت مہربان ہے۔

بخاری نے جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ ایک رات ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے یکایک چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا پھر فرمایا تم لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اسی طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، کوئی بھیڑ بھاڑ اور ازدحام نہ ہوگا، جہاں تک ہو سکے فجر و عصر کی نماز میں تساہل نہ برتو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾

(ق۔۳۹)

ترجمہ۔ اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کے چاند دیکھنے کو غنیمت سمجھا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کو بآسانی سمجھا دیا۔ جنت میں بھی مومنین اسی آسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔

تفریح و مذاق کے انداز میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ تعلیم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی صحابۂ کرامؓ کو تفریح و دلچسپی کے انداز میں باتیں بتاتے تھے، لیکن اس تفریحی انداز میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچی ہی باتیں فرماتے تھے، بہت سی علمی باتیں تفریح و مذاق کے انداز میں صحابۂ کرامؓ کو سکھا دیتے تھے، ایسا اس لئے فرماتے کہ انسانی طبیعت و مزاج کچھ اس طرح بنا ہے کہ کبھی سستی و اضمحلال کی کیفیت ہوتی ہے اور تفریحی باتوں سے یہ چیز دور ہو جاتی ہے نشاط پیدا ہو جاتا ہے اور مخاطب بات کو دلچسپی سے سنتا ہے جو دل میں اتر جاتی ہے اور اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے

روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لایا کرتے تھے میرا ایک چھوٹا بھائی تھا اس کی کنیت ابو عمیر تھی، اس نے ایک گوریا جیسا پرندہ پال رکھا تھا، اس سے کھیلتا اور دل بہلاتا تھا، کچھ دنوں بعد وہ پرندہ مرگیا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس کو غمگین دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے غمگین کیوں ہیں؟ بتایا گیا کہ ان کا پرندہ مرگیا اس پر غمگین ہیں، آپؐ نے فرمایا ارے ابو عمیر تمہارا نغیر (چھوٹا پرندہ) کیا ہوگیا؟“

ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو سواری کے لئے اونٹنی کا ایک بچہ دوں گا، اس شخص نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھائی اونٹ کو اونٹنی ہی تو جنتی ہے۔

ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفریحی انداز میں سمجھایا کہ اونٹ خواہ بڑا ہو اور سواری اور بار برداری کے کام آتا ہو، ہوتا تو ہے وہ اونٹنی ہی کا بچہ۔

اس سادہ اور معمولی واقعہ میں کئی باتیں سیکھنے کی ہیں ایک بات تو یہ ہے کہ طالب علم جب کوئی بات سنے تو اس پر غور کرے، اس کی تردید میں جلدی نہ کرے، یہ پہلو بہت اہم ہے جو طالب علم کو کامیابی کا راز بتاتا ہے، حدیث بالا میں تفریحی انداز میں ذہن کو غور و فکر پر آمادہ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے جو درست و حق ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مذاق بھی تفریح کے ساتھ حقیقت ہی بیان کرتا ہے، اس

میں عمیرؓ سے جو کچھ فرمایا وہ ایک طرح سے ان کے غم کو دور کرنے کی غرض سے تھا مزید یہ کہ پرندہ کو پالنا اور پنجرے میں بند رکھنا درست و جائز ہے۔ ایسے ہی پرندہ کو خریدنا فضول خرچی میں شامل نہیں ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ اگر برا نہ لگے تو پیار کے انداز میں تصغیر کا لفظ استعمال کرنا بھی درست ہے بعض علماء نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے ساٹھ کے قریب مسائل کا استنباط کیا ہے، بعض حضرات نے تو تین سو کے قریب فوائد گنائے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی قسم کے ذریعہ بات کو مؤکد فرماتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات بات کی اہمیت کو بتانے اور ہوشیار کرنے کے لئے کلام کی ابتدا قسم سے کرتے تھے۔

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جنت میں اس وقت تک نہیں داخل ہوگے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو، کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں کہ جب اس کو کرو تو آپس میں محبت پیدا ہو جائے؟ آپس میں سلام کو رواج دو۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس میں مسلمانوں کو سلام کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ خواہ پہلے سے تعارف ہو یا نہ ہو، کہ سلام کو شعار بنالینے

سے مسلمانوں میں ایک دوسرے سے محبت بڑھتی ہے، اور ان کا خاص امتیازی نشان ظاہر ہوتا ہے جو ان کو دوسری قوموں سے الگ اور نمایاں کرتا ہے، مزید برآں اس سے نفس کی تربیت ہوتی ہے۔ دل میں تواضع کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور مسلمانوں کا احترام بڑھتا ہے۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں محبت ایک دینی فریضہ اور شریعت کا رکن ہے جو اسلامی معاشرہ کو منظم کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس امت کی پہچان یا امتیازی نشان سلام کا عام کرنا ہے۔

اس حدیث اور اس طرح کی دیگر احادیث جو اسّی کے قریب شمار کی گئی ہیں، سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ استاذ و معلم اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لئے قسم کھا سکتا ہے۔

امام مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ مؤمن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک اپنے پڑوسی کے لئے یا اپنے بھائی کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ راوی کو شک ہو گیا کہ لفظ پڑوسی کا فرمایا تھا یا بھائی کا۔

علماء نے بھائی کی تشریح میں مؤمن و کافر دونوں کو عام رکھا ہے یعنی جس طرح اپنے لئے ایمان کو پسند کیا ایسے ہی اپنے کافر بھائی کے لئے اس کو پسند کرے جیسا کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے اسلام پر باقی رہنے کو پسند کرتا ہے اسی وجہ سے

اپنے کافر بھائی کے لئے ایمان کی دعا کرنا مستحب ہے۔ امام بخاریؒ نے ابو شریح خزاعیؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں! خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں! خدا کی قسم وہ مومن نہیں! صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مومن نہیں جس کے شر اور ایذا رسانی سے اس کا پڑوسی مأمون نہ ہو۔

ان احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کی تاثیر اور اہمیت کو بتانے کے لئے قسم کھائی ہے جو اسلام کا شعار ہے، باہم محبت و تعلق کو مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے، اس بات سے بھی آگاہ کیا گیا ہے کہ پڑوسی اور بھائی کے ساتھ محبت کو ضروری سمجھے، پڑوسی کو تکلیف پہونچانے کا جو نقصان ہے اس سے بھی آگاہ کیا گیا ہے اور اس کو اتنی اہمیت دی کہ جو اس کے خلاف کرے اس کے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔

کبھی کبھی بات کی اہمیت کو

ظاہر کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ دہراتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گفتگو کے مضمون کو مؤکد کرنے اور مخاطب کے ذہن میں اس کی اہمیت کو بٹھانے کے لئے تاکہ وہ اس کو سمجھ جائے اور ذہن میں بٹھالے تین مرتبہ دہراتے تھے، امام بخاری نے باب (من اعاد الحدیث ثلاثا لیفھم عنہ) جس نے اپنی بات کو سمجھانے کے لئے تین مرتبہ دہرایا دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات کہتے تو تین مرتبہ دہراتے تاکہ اچھی طرح سمجھ لی جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا ہمارے ایک سفر میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہ گئے اور ہم لوگوں تک ایسے

وقت پہونچے کہ عصر کا وقت تنگ ہو رہا تھا، اور ہم لوگ وضو کر رہے تھے، ہم اپنے پاؤں پر مسح کرنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ زور سے فرمایا ایڑیوں کو آگ سے بچاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو ہوشیار و متنبہ فرمایا ہے جو پاؤں دھونے میں زیادہ اہتمام نہیں کرتے سوکھا رہ جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں عبدالرحمن بن غنم سے اور انھوں نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ غزوۂ تبوک کی طرف نکلے جب صبح ہوئی تو لوگوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی اس کے بعد لوگوں نے کوچ کیا، جب سورج طلوع ہوا تو لوگوں پر اونگھ طاری ہوگئی۔ اس لئے کہ شروع رات میں سفر شروع کرنے کی وجہ سے سوئے نہیں تھے۔ حضرت معاذؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور ادھر ادھر دیکھا تو لشکر میں حضرت معاذؓ سے زیادہ قریب کوئی اور نہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آواز دی فرمایا۔ اے معاذ! حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوں، فرمایا قریب آجاؤ حضرت معاذؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قریب ہوگئے کہ دونوں حضرات کی سواریاں مل گئیں۔

اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ لوگ ہم سے اتنے فاصلہ پر ہوجائیں گے، حضرت معاذؓ نے جواب دیا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! لوگوں پر اونگھ طاری ہوگئی تو سواریاں ان کو لے کر ادھر ادھر ہوگئیں، چرتی ہیں اور

چلتی ہیں۔ یہ سنکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بھی اونگھ آگئی تھی۔ حضرت معاذؓ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشاشت اور توجہ دیکھی اور تنہائی بھی ملی تو عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے ایک بات پوچھنے کی اجازت دیجئے جس نے مجھے مریض و بیمار کر رکھا ہے اور جس کے سبب غم میں مبتلا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چاہو پوچھو۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں داخل کردے، اس کے بعد کوئی اور بات نہ پوچھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واہ واہ کیا خوب؟ تم نے تو بہت بڑی بات کے بارے میں سوال کیا اور تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالے تو اس کے لئے عمل بہت آسان ہے، یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا لیکن حضرت معاذؓ سے کچھ کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اس عمل کو معلوم کرنے اور دل میں بٹھالینے کے لئے ان کا ذہن بالکل تیار ہو جائے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اور آخرت پر ایمان لاؤ، نماز کی پابندی کرو، اللہ اکیلے کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ حتیٰ کہ اسی عقیدہ اور حال میں موت آجائے، حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ ارشاد فرمایئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تین مرتبہ دہرایا۔ اور اس کے بعد فرمایا اے معاذ اگر چاہو تو اس سب کا خلاصہ، اصل اور بنیادی بات بتادوں، حضرت معاذؓ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان آپ

صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دین کی بنیاد کلمۂ شہادت پر ہے یعنی تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اور بلاشک اس دین کا خاص شعار نماز اور زکوٰۃ ہے اور اس کی سب سے بڑی دینی بلندی اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں حتیٰ کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اگر وہ ایسا کرلیں گے تو بچ جائیں گے، اور اپنی جان و مال بچالیں گے الا یہ کہ جہاں اللہ تعالیٰ ان کے لگانے کا حکم دے، ان کا حساب اللہ رب العالمین پر ہے جو بڑی عزت وجلال والا ہے۔

بات کی اہمیت کے پیش نظر
بیٹھنے کا انداز بدلنا اور بات کوئی بار دہرانا

کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نشست کا انداز اور حالت بدل دیتے کے ساتھ بات کوئی بار دہراتے تھے، یہ انداز اس بات کی اہمیت اور مضرت کو ظاہر کرنے کے لئے اختیار فرماتے جس کو بیان کررہے ہوتے یا اس سے ڈرا رہے ہوتے تھے۔

بخاری اور مسلم کی روایت ہے جو حضرت ابوبکرہؓ سے نقل کی ہے انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتادوں؟ کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ نہ بتادوں؟ (تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کیوں نہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بیان فرمائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا (کبھی اس سے کفر کے

معنی بھی لئے جاتے ہیں) ماں باپ کو تکلیف پہونچانا (یعنی ان کی نافرمانی کرنا اور دل دکھانا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا سنو! جھوٹی بات جھوٹی گواہی! سنو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی! سنو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر یہ فرماتے رہے یہاں تک میں سمجھا کہ اب خاموش ہی نہ ہوں گے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو برابر دہراتے رہے حتیٰ کہ ہم لوگوں نے (دل میں) کہا کہ کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوجاتے، یہ بار بار دہرانا اور بیٹھنے کا انداز بدلنا سننے والوں کے ذہنوں کو بات کی اہمیت اور خطرناکی کو ظاہر کرنے کے لئے تھا۔

متوجہ ہو کر بات سننے کے لئے مخاطب کو بار بار

آواز دینے اور جواب میں تاخیر کا انداز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی مخاطب کو بار بار آواز دے کر متوجہ کرتے اور جو کچھ بتانا ہوتا ذرا تاخیر سے بتاتے تا کہ مخاطب پوری طرح متوجہ ہو کر بات کو سنے اور اس کو اچھی طرح سمجھے اور جو بتایا جا رہا ہے اس کو ذہن میں بٹھا لے، امام بخاری اور مسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے انھوں بیان کیا کہ اس اثنا میں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھا ہوا تھا، ہمارے اور آپ کے درمیان کجاوہ پر لگی ہوئی ٹیک لگانے والی لکڑی کے سوا کوئی اور چیز حائل نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں اطاعت کے لئے حاضر ہوں، اس کے بعد کچھ دیر چلے پھر فرمایا اے معاذ! عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں اطاعت کے لئے حاضر ہوں، کچھ دور چل کر

پھر فرمایا اے معاذ بن جبل میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں اطاعت کے لئے حاضر ہوں۔

اس طرح تین مرتبہ فرمانے کے بعد جب حضرت معاذؓ بات سننے کے لئے پوری طرح چوکس اور چوکنا ہو گئے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر چلے پھر فرمایا اے معاذ بن جبل میں عرض نے کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں اطاعت کیلئے حاضر ہوں فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ عبادت کرنے کے بعد بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اس کا علم اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں عذاب نہ دے (اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اس کا وعدہ فرمایا ہے)۔

ہاتھ یا کندھا پکڑ کر بات کرنے کا انداز

کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب کو پوری طرح متوجہ کرنے کیلئے اس کا ہاتھ یا کندھا پکڑ لیتے، تاکہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں اس کو غور سے سنے، اور کان، آنکھ، دل تینوں متوجہ ہو جائیں، اور اچھی طرح سمجھے اور یاد کرلے۔

بخاری اور مسلم نے عبداللہ بن سخبرہ ابو معمرؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا میں نے ابن مسعودؓ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد یعنی ﴿التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیك أیها النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین أشهد أن لا الہ الا اللہ وأشهد أن محمدا عبدہ ورسولہ﴾ کی تعلیم اس طرح دی کہ میری ہتھیلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی اس طرح جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو سورۂ قرآنی سکھاتے تھے۔

بخاری اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا پکڑا اور فرمایا دنیا میں اس طرح رہو جیسے تم پردیسی ہو، یا سفر میں ہو، اپنے آپ کو اہل قبر یعنی مردوں میں شمار کرو (یعنی گویا تم مرچکے ہو اور حساب کتاب ہو رہا ہے اس تصور کے بعد انسان آخرت کی کیسی تیاری کرے گا؟) اسلئے کہ موت تو آنا ہی ہے کب آجائے کچھ خبر نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ جب رات آجائے تو دن آنے کی امید نہ رکھو (یعنی دن آنے تک زندہ رہنے کا یقین نہ رکھو کہ موت کا کچھ پتہ نہیں کب آجائے) اور جب صبح ہو جائے تو رات آنے کی امید نہ رکھو، حالت صحت میں حالت مرض کے لئے کمائی کرلو، اور زندگی سے موت کے بعد کے لئے کمائی کرلو، اس لئے کہ اے عبداللہ تمہیں کچھ خبر نہیں کہ تم کل کس نام سے پکارے جاؤ گے (یعنی صالحین کے زمرہ میں ہوگے یا گنہ گاروں کے)۔

مسلم نے جلیل القدر تابعی ابو العالیہ سے روایت کیا ہے انھوں نے بیان کیا کہ گورنر ابن زیاد نے نماز میں تاخیر کردی تو میرے پاس عبداللہ بن صامت آئے میں نے ان کے لئے ایک کرسی رکھ دی وہ اس پر بیٹھ گئے اور پھر میں نے ابن زیاد کے نماز تاخیر سے پڑھنے کا تذکرہ کیا (میرا بیان سن کر) انھوں نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے دبایا، اور میری ران پر اس طرح ہاتھ مارا اور فرمایا میں نے ابوذرؓ سے اس طرح سوال کیا جس طرح تم نے مجھ سے سوال کیا ہے تو انھوں نے میری ران پر اس طرح ہاتھ مارا جس طرح میں نے تمہاری ران پر ہاتھ مارا ہے، اور فرمایا۔ بلاشبہ میں نے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سوال کیا جس طرح تم نے مجھ سے سوال کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ران پر اسی طرح ہاتھ مارا جس طرح میں نے تمہاری ران پر ہاتھ مارا ہے اور فرمایا نماز وقت پر پڑھا کرو، جب لوگوں کے ساتھ نماز کا وقت آجائے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لو یہ نہ کہو کہ میں پڑھ چکا ہوں لہٰذا نماز نہ پڑھوں گا، نماز کی اس طرح پابندی خیر کو بڑھاتی ہے۔

سننے والے کو غور کرنے پر آمادہ کرنے کیلئے بات کو مبہم رکھ کر سوال کرنا

کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سننے والے کے اندر شوق پیدا کرنے کی غرض سے اس سے سوال کرتے کہ اس طریقہ سے بات اس کے دل پر زیادہ اثر کرتی ہے اور اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔

حضرت انسؓ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی شخص آئے گا، تھوڑی دیر بعد ایک انصاری آئے، (یہ سعد بن ابی وقاص تھے) ان کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور بائیں ہاتھ میں جوتا لئے ہوئے تھے، اگلے دن پھر یہی صورت حال پیش آئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل جیسی بات آج بھی فرمائی، یہی صاحب کل ہی کی طرح آج بھی مسجد میں داخل ہوئے، تیسرے دن بھی

یہی صورت حال پیش آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی شخص کے داخل ہونے کی بات کہی، چنانچہ پہلے ہی کی حالت میں وہی انصاری پھر داخل ہوئے، پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھے تو عبداللہ بن عمرؓ ان انصاری کے ساتھ ہو لئے، اور ان سے کہا کہ آج والد صاحب سے میری کچھ بحث ہو گئی ہے میں نے قسم کھائی ہے کہ تین دن ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ یہ تین دن اپنے پاس گذارنے دیں تو گذار لوں، انھوں نے کہا ہاں رہ سکتے ہو، حضرت انسؓ نے فرمایا عبداللہؓ کہا کرتے تھے کہ انھوں نے ان کے ساتھ تین راتیں گذاریں اور رات کو تہجد پڑھتے نہیں دیکھا، ہاں جب سوتے میں کروٹ بدلتے اور الٹتے پلٹتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اللہ اکبر کہتے یہاں تک کہ نماز فجر کے لئے اٹھتے۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ مگر ہم نے یہ دیکھا کہ وہ جب بھی بات کرتے تو اچھی ہی بات کرتے، جب تینوں راتیں گذر گئیں تو ان کا جو عمل دیکھا تھا ممکن تھا کہ اس کو حقیر سمجھتا، لیکن میں نے ان سے سوال کیا اور کہا عبداللہ! نہ میری والد صاحب سے کوئی بحث ہوئی نہ ان سے قطع تعلق کیا تھا، لیکن آپ کے بارے میں تین دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آئے گا، اور تینوں دن آپ ہی آئے۔ تب میں نے ارادہ کیا کہ آپ کے یہاں رہوں اور آپ کے معمولات دیکھوں اور اس کی اقتدا کروں، لیکن ہم نے آپ کو کچھ زیادہ عمل کرتے تو دیکھا نہیں، تو آخر کس چیز نے آپ کو اس درجہ کو پہونچا دیا کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی؟ انھوں نے جواب دیا جو کچھ آپ نے دیکھا یہی ہمارا

معمول ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرتا، لیکن جب میں انکے پاس سے چلا تو مجھ کو واپس بلایا اور کہا میرے بھتیجے آپ نے جو کچھ دیکھا یہی ہمارا معمول ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے بارے میں کوئی کھوٹ نہیں رکھتا اور نہ اللہ تعالیٰ نے جس کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے اس پر حسد کرتا ہوں۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ نے فرمایا اسی چیز نے آپ کو اس مرتبہ کو پہونچایا ہم میں اس کی صلاحیت نہیں۔

پہلے اختصار پھر تفصیل سے بات کو بیان کرنے کا انداز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی گفتگو میں بات کو بہت اختصار کے ساتھ بیان کرتے جس کا مقصد یہ ہوتا کہ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب کو سوال کرنے پر آمادہ فرمائیں اور اس کے اندر پوری بات معلوم کرنے کا شوق پیدا ہو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو اچھی طرح واضح کر کے بیان فرماتے جس سے مخاطب اس کو اچھی طرح سمجھتا اور وہ بات ذہن نشین ہو جاتی۔

بخاری، مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے انھوں نے بیان کیا کہ لوگ ایک جنازہ لے کر گذرے (دیکھنے والوں نے) جنازہ یعنی (میت) کی تعریف کی، تعریف سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی پھر ایک دوسرا جنازہ گذرا، اس جنازہ کی برائی بیان کی گئی،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برائی سنکر فرمایا واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی۔

حضرت عمرؓ نے سوال کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ایک جنازہ گذرا اس کی تعریف کی گئی تو آپؐ نے واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی فرمایا۔ دوسرا جنازہ گذرا اس کی برائی بیان کی گئی تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب ہوگئی، واجب ہوگئی، واجب ہوگئی فرمایا۔

حب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ جس کی تم نے تعریف کی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جس کی برائی بیان کی اس پر جہنم واجب ہوئی، تم روئے زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

امام مسلم نے معبد بن کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ابوقتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گذرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو راحت نصیب ہوئی، اور لوگوں کو اس سے راحت ملی۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو راحت نصیب ہوئی لوگوں کو اس سے راحت ملی، کا کیا مطلب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندۂ مومن کو (موت کے بعد) دنیا کی پریشانیوں سے فرصت مل جاتی ہے وہ اللہ کی رحمت کے سایہ میں چلا جاتا ہے، اور بدکردار آدمی (کی موت) سے اللہ کے بندوں، ملک، درخت اور جانوروں کو راحت مل جاتی ہے۔

امام بخاریؒ نے ابوشریح خزاعیؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں، خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں، خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں، صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ کون مؤمن نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے شر اور ستانے سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

اسی قسم میں وہ حدیث بھی آجاتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ حسن سلوک میں کوتاہی کرنے کے سلسلہ میں ڈرایا ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، صحابۂ کرامؓ نے سوال کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے میں پایا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا یا دونوں کو اور (ان کی خدمت کر کے) جنت میں نہ داخل ہوا۔

کچھ چیزوں کا اجمالی ذکر پھر تفصیل بیان کر کے سمجھانے کا انداز

قریب قریب اس سے پہلے ہی کے انداز سے ملتا جلتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک انداز بیان یہ بھی تھا کہ پہلے کچھ چیزوں کا اجمالاً ذکر فرماتے پھر ایک ایک کر کے انکی وضاحت فرماتے تا کہ سننے والے کی گرفت میں اچھی طرح آجائے اور یہ انداز ان باتوں کے یاد کرنے اور سمجھنے میں پوری طرح معاون ہو۔

حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو! اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو بیمار پڑنے سے پہلے، مالداری کو فقر وغریبی سے پہلے، فرصت کو مشغولیت سے پہلے، زندگی کو موت سے پہلے۔

اس حدیث میں اوپر بیان کی ہوئی پانچوں چیزوں کی اہمیت اور قیمت اور

اس کے زبردست نفع کو بیان کیا گیا ہے ان پانچوں باتوں کی قدر ان کے ختم ہو جانے کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ بڑے دھوکے میں ہیں، ایک تندرستی دوسری فرصت وفراغت۔

بخاری ومسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سے چار باتوں کے سبب شادی کی جاتی ہے، اس کے مال کی وجہ سے، اسکے حسب ونسب کی وجہ سے، اس کے حسن کی وجہ سے، اور اس کی دینداری کی وجہ سے، تمہارے ہاتھ گرد آلود ہوں[1] تم دیندار عورت سے شادی کرو۔

[1] یہ عربی کا محاورہ بظاہر بددعا ہے لیکن اس سے دعا مراد ہوتی ہے۔

وعظ ونصیحت کے انداز میں تعلیم دینے کا طریقہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھانے اور تعلیم دینے کا ایک اہم اور نمایاں انداز

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ہے۔

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾

ترجمہ:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرمایئے، یاد دلاتے رہئے یاد دلانا مؤمنوں کو فائدہ پہونچاتا ہے۔

اور ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾

ترجمہ:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف یاد دہانی کرانے والے اور نصیحت کرنے والے ہیں۔

کی اقتدا اور پیروی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا بہت سا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظوں اور عام تقریروں سے حاصل کیا گیا ہے۔

ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عمرو سلمیؒ اور حجر بن حجر

سے روایت کیا ہے ان دونوں نے کہا کہ ہم لوگ عرباض بن ساریہؓ کے پاس آئے، ہم
لوگوں نے سلام کیا اور عرض کیا کہ ہم لوگ آپ سے ملاقات کرنے، عیادت کرنے اور
استفادہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں، تو حضرت عرباضؓ نے کہا ایک دن حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور
بہت بلیغ و مؤثر وعظ فرمایا ایسا کہ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، دلوں پر
خوف طاری ہو گیا۔

پھر ایک صاحب نے سوال کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ وعظ تو
ایسا ہے جیسے الوداع کہنے والا وعظ کہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو کیا ہدایت
فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ہر حال میں
اللہ تعالیٰ کے حکموں کا پاس ولحاظ رکھو! سنو اور مانو، چاہے تم پر ایک حبشی ہی کیوں نہ
حاکم بنا دیا جائے، اس لئے کہ میرے بعد جو زندہ رہے گا، بڑے اختلافات ولڑائی
جھگڑے دیکھے گا، (ایسے وقت میں) تم ہمارے اور خلفائے راشدین کے طریقہ پر
جمے رہنا، اس کو مضبوطی سے تھام لینا ایسا کہ جیسے دانتوں سے کوئی چیز مضبوطی سے پکڑی
جاتی ہے، تم نئی نئی باتوں کے اختیار کرنے سے بہت بچنا کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر
بدعت گمراہی ہے۔

مسلم، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے روایت کیا
ہے کہ انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تقریر فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کی چشم مبارک سرخ ہو جاتی، آواز بلند ہو جاتی غصہ تیز ہو جاتا، ایسا معلوم ہوتا جیسے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی لشکر کے حملہ آور ہونے کا خوف دلا رہے ہیں، فرماتے وہ صبح
یا شام تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔

اور فرماتے میں اور قیامت دونوں اس طرح بھیجے گئے ہیں شہادت اور بیچ
کی انگلی کو ملا کر (فرماتے) کہ اس طرح قریب قریب ہیں۔

پھر فرماتے امابعد! بلاشبہ بہترین بات اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے
بہترین طریقہ زندگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ زندگی ہے، بدترین بات
(دین میں) نئی چیز پیدا کرنا ہے۔

پھر فرماتے میں ہر مسلمان کے لئے اسکی جان سے بھی زیادہ قریب (قابل
ترجیح) ہوں جس نے (انتقال کے وقت) کچھ مال چھوڑا وہ اس کے ورثہ کا ہے۔ اور
جس نے کچھ قرض چھوڑا یا قابل دیکھ بھال متعلقین چھوڑے تو اس میں میری طرف
رجوع کیا جائے وہ میرے ذمہ ہے۔

شوق وخوف دلاکر تعلیم دینے کا انداز

تعلیم دینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص انداز ان اچھی باتوں کے شوق دلانے کا ہوتا جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیتے، اور اس برائی سے خوف دلانے کا ہوتا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوشیار فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھی باتوں کے ثواب اور اس کے فائدہ کو بیان فرما کر اس کو اختیار کرنے کا شوق پیدا فرماتے، بری باتوں کی سزا اور برائی کو بیان فرما کر اس سے ڈراتے۔

اپنی گفتگو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شوق دلانے اور ڈرانے دونوں طرح کی باتوں کا ذکر فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ڈارنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے کہ سننے والے کے اندر نفرت پیدا ہو جائے، نہ صرف شوق وترغیب پر اکتفا فرماتے کہ سستی اور عمل چھوڑ دینے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

علمائے حدیث نے ایسی تمام حدیثوں کو جن میں ترغیب وترہیب کا ذکر ہے

مستقل کتابوں کی شکل میں جمع کر دیا ہے، ان کتابوں میں ان تمام حدیثوں کو اکٹھا کر دیا ہے ان کتابوں میں سب سے فائدہ بخش اور آسانی سے حاصل ہونے والی کتاب امام حافظ ابو محمد زکی الدین عبدالعظیم منذریؒ کی کتاب (الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف) ہے جو طبع شدہ اور سہل الحصول ہے۔

گذشتہ اسلوبہائے بیان میں اس طرح کی بہت سی حدیثیں گذر چکی ہیں لہٰذا ہم نے یہاں صرف اس کی طرف اشارہ کر دینے کو کافی سمجھا۔

قصوں اور گذشتہ قوموں کے حالات بیان کر کے تعلیم دینے کا انداز

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے سامنے قصوں اور گذشتہ
قوموں کے حالات و واقعات بیان فرماتے جس کا سننے والوں پر بہت اچھا اثر
پڑتا۔ اور اس طرح ان کے ذہن کو بہتر طریقہ پر موڑا جاتا۔ اس لئے کہ سامعین بڑی
توجہ اور پوری بیداری کیساتھ ان قصوں اور حالات کو سنتے جن کا دل پر بہتر سے بہتر اثر
پڑتا اس لئے کہ اس میں مخاطب کو کرنے نہ کرنے کا کوئی حکم نہ ہوتا بلکہ دوسروں کے
حالات بیان فرما کر ان کو سبق دیتے اور نصیحت حاصل ہوتی۔ نمونہ سامنے آتا۔ اور
اقتدا کا احساس از خود بیدار ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں
بھی انداز بیان پیش فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ﴾ (سورۂ ہود ۱۲۰)

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم
سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم تمہارے دل کو قائم رکھتے ہیں۔

اسی انداز کی حدیث درج ذیل ہے جس کو مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کے
ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ایک شخص اپنے بھائی سے جو دوسرے گاؤں میں رہتا تھا ملاقات کو چلا۔ اللہ تعالیٰ نے
اس کے راستہ میں ایک فرشتہ کو لگا دیا۔ جب فرشتہ اس شخص کے پاس آیا تو سوال کیا تم
کہاں جا رہے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا۔ اس گاؤں میں میرا بھائی رہتا ہے اس
سے ملنے جا رہا ہوں، فرشتہ نے سوال کیا، کیا اس کے پاس تمہاری کوئی جائداد وغیرہ
ہے جس کو دیکھنے اور نگرانی کی غرض سے جا رہے ہو؟ اس شخص نے جواب دیا نہیں ایسا
کوئی مقصد نہیں ہے، اس سے اللہ واسطے محبت کرتا ہوں اس محبت ہی کے سبب اس
سے ملنے جا رہا ہوں۔ یہ جواب سن کر اس فرشتہ نے کہا! مجھے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ
نے بھیجا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اپنے اس بھائی سے محبت کے سبب تم
سے محبت کرتا ہے)۔

اسی انداز سے تعلیم دینے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ بھی ہے جس
حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں پر رحم کرنے اور ان کا خیال رکھنے کی
تعلیم دی ہے اور انکو تکلیف پہونچانے اور ستانے پر عذاب خداوندی سے ڈرایا ہے۔

بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔ ایک شخص سفر کر رہا تھا۔ دوران سفر اس کو بہت زور کی پیاس لگی۔ اس کو

ایک کنواں ملا وہ کنویں میں اتر گیا پانی پیا پھر باہر نکل آیا۔ اچانک کیا دیکھتا ہے ایک کتا ہانپ رہا ہے۔ اور (پیاس کی شدت میں) کیچڑ چاٹ رہا ہے، یہ منظر دیکھ کر اس آدمی نے اپنے دل میں کہا یہ کتا بھی پیاس کی شدت کی اسی تکلیف میں مبتلا ہے جس میں میں تھا۔ چنانچہ وہ دوبارہ کنویں میں اترا اور اپنے خف میں پانی بھرا اور اس کو اپنے منھ سے پکڑ لیا یہاں تک کہ اوپر آ گیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اس کی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ اس کی مغفرت فرما دی۔

یہ واقعہ سن کر صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا جانوروں پر رحم کرنے اور انکو آرام پہنچانے سے ہم کو ثواب ملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر جاندار چیز کو آرام پہونچانے میں ثواب ہے۔

بخاری ومسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک دوسری روایت نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک کتا سخت پیاس کی وجہ سے جاں بلب ایک کنویں کے گرد چکر لگا رہا تھا کہ اتنے میں بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت کی اس پر نظر پڑی اس نے اپنا خف نکالا اور دوپٹہ سے باندھ کر اس کے ذریعہ پانی نکالا۔ اور یہ پانی اس کتے کو پلا دیا اس کے اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی۔

بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ اس عورت نے اپنی بلی کو باندھ دیا۔ یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ اس کے سبب اس عورت کو جہنم میں ڈال دیا گیا۔ چونکہ اس نے بلی کو باندھ دیا اور اس کو کھانا دیا نہ پانی دیا، نہ ہی اس کو چھوڑا کہ کچھ

کھائے پیئے۔ لہٰذا عذاب دیا گیا۔

بخاری ومسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پالنہ کے اندر صرف تین بچوں نے بات کی ہے۔

۱۔ عیسیٰ بن مریم۔

۲۔ صاحب جریج: جریج ایک عبادت گذار شخص تھے انھوں نے اپنے لئے عبادت کی خاطر ایک جگہ متعین کر لی تھی وہیں عبادت ونماز میں مشغول رہا کرتے تھے، وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی درمیان ان کی والدہ آئیں اور ان کو آواز دی جریج! آواز سن کر جریج نے کہا اے میرے مالک میری ماں اور نماز (یعنی اب کیا کروں) یہ کہکر نماز میں مشغول رہے (ماں کو جواب نہ دیا) والدہ واپس چلی گئیں۔ دوسرے دن پھر یہی صورت حال پیش آئی۔ والدہ آئیں تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ والدہ نے آواز دی جریج! پھر انھوں نے کہا اے میرے مالک میری ماں اور نماز (یہ کہہ کر) نماز میں مشغول رہے، والدہ اسی طرح دوسرے دن بھی واپس چلی گئیں۔

اس کے بعد پھر تیسرے دن والدہ آئیں تو جریج نماز پڑھ رہے تھے پھر انھوں نے آواز دی جریج! جریج نے پھر یہ کہہ کر میرے رب میری والدہ اور نماز! نماز میں مشغول رہے (جب تیسرے دن بھی وہ والدہ کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو انھوں نے بد دعا دی کہ اے اللہ! جریج کی موت اس وقت تک نہ آئے جب تک کہ یہ فاحشہ عورت کی طرف نہ دیکھے۔

ایک دن بنی اسرائیل کے کچھ لوگ جریج کی عبادت وبزرگی کا تذکرہ

کررہے تھے، ایک فاحشہ عورت تھی جو اپنے حسن و جمال میں مشہور تھی اس نے کہا تم چاہو تو میں ان کو اپنے جال میں پھانس لوں، چنانچہ وہ جریج کے سامنے آئی وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ تو اس نے یہ حرکت کی کہ ایک چرواہے سے زنا کیا جو جریج کی عبادت گاہ ہی میں رہتا تھا۔ اس چرواہے سے وہ حاملہ ہوگئی، جب بچہ پیدا ہوا تو اس نے کہا یہ جریج سے پیدا ہوا ہے۔ اس فاحشہ کے بہتان پر لوگ جریج کے پاس آئے اور ان کو مارنا شروع کیا[1] جریج نے ان لوگوں سے پوچھا کیا بات ہے بھائی کیوں مار رہے ہو۔ انھوں نے کہا تم نے اس فاحشہ عورت سے زنا کیا ہے، تمہیں سے اس کے بچہ پیدا ہوا ہے۔ جریج نے پوچھا بچہ کہاں ہے؟ وہ لوگ بچے کو لے آئے۔ جریج نے کہا مجھے نماز پڑھنے کا موقع دو۔ انھوں نے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر بچے کے پاس آئے اور اس کے پیٹ میں کچوکہ لگایا اور کہا اے بچے تیرا باپ کون ہے؟ بچے نے جواب دیا فلاں چرواہا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ دیکھ کر لوگ جریج کو بوسہ دینے لگے اور ان کا جسم سہلانے لگے۔ اور کہا کہ ہم تمہاری عبادت گاہ سونے کی بنا دیں گے، جریج نے کہا نہیں وہ مٹی کی جیسی بنی ہوئی تھی ویسی ہی بنا دو چنانچہ ان لوگوں نے ان کی عبادت گاہ بنوا دی[2]

---

[1] ایک روایت ہے کہ ان کو بستی میں گھمایا گیا اور ذلیل کیا گیا۔ جب فاحشہ عورتوں کے محلے سے گذرے تو وہ سب جریج کو دیکھنے کیلئے نکل آئی تھیں انھیں دیکھ کر جریج مسکرائے ان لوگوں نے کہا زانی عورتوں کو دیکھ کر مسکرایا۔

[2] ایک روایت میں ہے کہ جب وہ اپنی عبادت گاہ میں گئے تو لوگوں نے پوچھا آپ ہنسے کیوں تھے تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے اپنی والدہ کی بددعا پر ہنسی آئی (یعنی میری یہ آزمائش والدہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہوئی)۔

۳۔ (تیسرا بچہ جس نے بات کی اس کا قصہ یہ ہے کہ) ایک بچہ ماں کا دودھ پی رہا تھا اسی حال میں شاندار سواری پر نہایت خوش پوشاک ایک شخص گذرا۔ اس بچے کی ماں نے کہا اے اللہ تو میرے بچے کو ایسا ہی (خوشحال) بنا جیسا یہ شخص ہے۔ بچہ دودھ پینا چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہا اے اللہ مجھے اس شخص جیسا نہ بنا (یہ کہا) اور پھر دودھ پینے لگا۔ راوی کہتے ہیں جیسے میں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ اپنی شہادت کی انگلی منہ میں ڈال کر اس کو چوستے ہوئے اس بچے کے دودھ پینے کی کیفیت بیان فرما رہے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد لوگ ایک لونڈی کو مارتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ تو نے زنا کیا ہے، چوری کی ہے، گذرے، وہ مارتے جاتے تھے اور لونڈی کہتی جاتی تھی۔ اللہ میرے لئے کافی ہے وہ بہترین نگہبان ہے۔ بچے کی ماں نے یہ منظر دیکھ کر کہا اے اللہ تو میرے لڑکے کو ایسا (ذلیل وخوار) نہ بنا۔ بچہ نے دودھ پینا چھوڑ کر اس لڑکی کی طرف دیکھا اور کہا اے اللہ تو مجھ کو اس (لڑکی) جیسا بنا۔

اس کے بعد ماں اور بچے میں گفتگو ہوئی ماں نے کہا تعجب ہے! ایک آدمی اچھی حالت میں گذرا میں نے دعا کی کہ اے اللہ میرے بچے کو ایسا بنا تو تم نے کہا اے اللہ مجھ کو اس جیسا نہ بنا، اور باندی کو لے کر گذرے وہ لوگ اس کو مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم نے زنا کیا ہے۔ تم نے چوری کی ہے تو میں نے دعا کی کہ اے اللہ میرے بچے کو ایسا نہ بنا تب تم نے کہا کہ اے اللہ تو مجھ کو اس باندی جیسا بنا؟

بچے نے جواب دیا یہ آدمی ظالم ہے اس لئے میں نے کہا اے اللہ تو مجھ کو ایسا

نہ بنا، اور یہ باندی جس سے کہہ رہے ہیں کہ تم نے زنا کیا ہے حالانکہ اس نے زنا نہیں کیا ہے۔ چوری کی ہے۔ حالانکہ اس نے چوری نہیں کی ہے تو میں نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے ایسا بنا۔

اس قصہ میں فکر آخرت کی ایسی ترغیب ہے اور اس طرح ڈرایا گیا ہے جس کی زیادہ تشریح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شرم کی باتیں بیان کرنی ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ لطیف اشارہ سے کام لیتے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی جب صحابہ کرامؓ کو ایسی بات بتانا چاہتے جس کو کھول کر بیان کرنے میں شرم محسوس ہو تو پہلے بہت لطیف اشارہ و کنایہ سے کام لیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے لئے باپ کی طرح ہوں جس طرح باپ اپنے لڑکے کو سکھاتا ہے میں اسی طرح تم کو تعلیم دیتا ہوں (دیکھو) جب قضاء حاجت[1] کو جایا کرو تو اس حالت میں نہ منہ قبلہ کی طرف کیا کرو نہ پیٹھ کیا کرو۔ اور استنجاء پاک کرنے میں تین پتھر استعمال کیا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر یا مینگنی اور بوسیدہ ہڈی سے استنجاء پاک کرنے سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد۔ ابن ماجہ وغیرہ)

---

[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجاء کیلئے غائط کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی آبادی سے دور ویرانہ کی نشیبی زمین کے ہیں۔ لوگوں سے پردہ کی غرض سے آدمی دور نشیبی جگہ قضاء حاجب کیلئے بیٹھتا ہے اسلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استعارہ غائط کا استعمال فرمایا۔

شرم کی باتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف بیان کر دینے اور اشارہ پر اکتفا کرنا

شرم کی باتوں کو بتانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی صرف مسئلہ بیان کر دینے اور اشارہ کر دینے پر اکتفا فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسماء بنت شکلؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے بعد غسل کے بارے میں سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس کو (مدت حیض کے ختم پر) غسل کرنا ہو پانی اور سدرہ[1] لے کر پاکی حاصل کرے اور اچھی طرح (مل کر) حاصل کرے پھر اس پر پانی ڈالے اور خوب ملے کہ بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جائے پھر اس پر پانی انڈیلے پھر خوشبو لگا ہوا

[1] سدرہ وہاں ایک پودہ کا پتہ ہوتا ہے جو میل نکالنے اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانے میں معاون ہوتا ہے۔

روئی کا ٹکڑا لے اور اس سے صاف کر لے۔

حضرت اسماءؓ نے فرمایا اس سے کس طرح پاکی حاصل کرے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مقام کی صراحت نہ فرما کر) سبحان اللہ، سبحان اللہ فرمایا اور فرمایا کہ اس سے پاکی حاصل کرے۔

حضرت عائشہ نے آہستہ سے ان سے فرمایا خون نکلنے کی جگہ کو صاف کرو۔

ان خاتون نے غسل جنابت کے بارے میں سوال کیا؟ پانی لے اور اچھی طرح پاکی حاصل کرلے یا خوب صاف کر لے پھر اسکے اوپر پانی بہائے، اور خوب ملے، کہ بالوں کی جڑ تک پانی پہونچ جائے۔ اور اس کے اوپر پانی انڈیلے۔

حضرت عائشہ نے فرمایا کہ انصاری عورتیں کتنی اچھی ہیں کہ دینی باتوں کو معلوم کرنے میں شرماتی نہیں ہیں۔

حدیث بالا سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ تعجب کے وقت معلم کا سبحان اللہ کہنا، (جس کا مفہوم یہ ہے کہ اتنی موٹی بات سمجھ میں نہیں آئی)۔

۲۔ شرم گاہ سے متعلق مسائل میں اشارہ اور کنایہ سے کام لینا۔

۳۔ عورت کا عالم سے ایسی باتوں کا معلوم کرنا جو ضروری ہوں۔

۴۔ بے حیائی پیدا کرنے والی باتوں کے موقع پر اشارہ اور کنایہ سے کام لینا۔

۵۔ سوال کرنے والے کو سمجھانے کے لئے جواب کا دہرانا۔ پوچھنے والی

خاتون نے جب پہلی بار منہ پھیر کر جواب دینے سے نہیں سمجھا تو آپ نے دوبارہ سمجھایا اس لئے کہ عورتوں سے اس طرح آمنے سامنے بات کرنے میں حیا معلوم ہوتی ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخ پھیر کر جواب دیتے ہوئے گویا اصل جگہ کی طرف اشارہ کر دیا، جس کو حضرت عائشہ سمجھ گئیں اور پوچھنے والی کو سمجھانے کی ذمہ داری لی اور چپکے سے انکو بتا دیا۔

۶۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عالم کی موجودگی ہی میں جس نے بات کو سمجھ لیا ہے جب یہ اندازہ ہو کہ عالم اس سے خوش ہوں گے تو وہ مسائل کو سمجھا دے جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی میں ان خاتون کو چپکے سے سمجھا دیا۔

۷۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جن سے مسئلہ پوچھا گیا ہے ان کے ہوتے ہوئے دوسرا سمجھا دے جیسے حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے سمجھایا۔

۸۔ بات کا ٹھیک سے بیان کر دینا اور اس سائل کے سمجھنے کو بھانپ جانا چاہے وہ ہاں نہ کہے۔

۹۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سائل کو ہر پہلو سے سمجھانا شرط نہیں ہے جیسا کہ اس حدیث میں گذرا حضرت عائشہؓ نے اصل حقیقت کو واضح کیا۔

۱۰۔ سائل کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔ اور نہ سمجھنے پر معذور سمجھنا۔

۱۱۔ عیب کا چھپانا اصل ہے خواہ وہ فطری بات ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب پاک کرنے کا لفظ استعمال کیا بدبو دور کرنے کا لفظ نہیں استعمال فرمایا۔

۱۲۔ شرم کی باتوں میں سائل کی طرف رخ نہ کرنا جیسا کہ حدیث میں گذرا۔

۱۳۔ معلم کا اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا جیسا کہ ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی تعلیم اور وعظ کا بھی اہتمام فرماتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی ضرورت ومسائل کے حساب سے ان کو بھی تعلیم وتلقین اور وعظ ونصیحت کا اہتمام فرماتے تھے اپنی بعض مجلسیں عورتوں ہی کے لئے خاص فرمادیتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ میں گواہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوگانہ عید ادا فرمایا۔ اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی۔ (تقریر ختم ہوئی تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ عورتوں کو نہیں سنائی دیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مجمع کے پاس آئے اور ان کو نصیحت کی اور وعظ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقہ کا حکم دیا، حضرت بلالؓ کپڑا پھیلائے ہوئے تھے اور عورتیں انگوٹھیاں، کان کی بالیاں (غرض یہ کہ جس کے پاس

جو تھا) حضرت بلالؓ کے کپڑے میں ڈال رہی تھیں (بخاری ومسلم)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ مردوں ہی کو وعظ ونصیحت فرماتے ہیں۔ ایک دن ہم عورتوں کے لئے مقرر فرمادیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا فلاں فلاں دن تم لوگ جمع ہو جایا کرو۔ چنانچہ عورتیں جمع ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ سکھایا تھا انھیں بتایا۔ پھر فرمایا! تم میں سے جن عورتوں کے تین بچے انتقال کر جاتے ہیں وہ اس کے لئے آگ سے پردہ بن جاتے ہیں، ایک عورت نے سوال کیا دو ہوں تو، دو ہوں تو، دو ہوں تو، آپؐ نے فرمایا۔ دو ہوں تو بھی دو ہوں تو بھی، دو ہوں تو بھی۔

تعلیم دینے میں ماحول کی مناسبت وتقاضا سے
کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ اورسختی سے کام لیتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سوال کرنے اور بحث کرنے میں نامناسب باتیں محسوس کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوتے جس کا اندازہ ذیل کی حدیثوں سے ہوتا ہے۔

عمرو بن شعیبؓ اپنے والد اور دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا (ایک دن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کے پاس آئے وہ حضرات اس وقت تقدیر کے بارے میں بحث کررہے تھے۔(انکی بحث پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا غصہ آیا کہ (چہرہ مبارک غصہ سے ایسا سرخ ہوگیا) جیسے روئے مبارک پر انار کے دانے توڑ دیئے گئے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو اس کا حکم دیا گیا؟ تم اس کیلئے پیدا کئے گئے ہو؟ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ تمہارا مقصد تخلیق تقدیر میں بحث کرنا نہیں تم اس کے مکلف نہیں بنائے گئے ہو کہ

اس میں بحث کرو) قرآن کریم کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ٹکراتے ہو، تمہارے پہلے کی قومیں اسی طرح کی بحثوں سے ہلاک ہوئی ہیں (ابن ماجہ)

عبد اللہ بن عمروؓ نے (جو مجلس میں نہیں رہتے) کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی مجلس سے غائب ہونے کو میں نے ایسا اچھا نہیں سمجھا جیسا اس مجلس سے غائب ہونے کو۔(جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ناراض ہوئے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے پاس ایسے وقت تشریف لائے جب ہم لوگ تقدیر کے بارے میں بحث کررہے تھے، (ہماری اس بحث سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا غصہ ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں رخساروں پر انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہیں، آپؐ نے فرمایا کیا تم کو اس کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں تمہارے پاس اس کے لئے بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے کی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ تقدیر کی بحث میں پڑیں۔ میں تم کو سختی سے منع کرتا ہوں کہ تقدیر کی بحث میں نہ پڑو۔

تعلیم وتبلیغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحریر سے کام لینا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کتابت کو بھی تعلیم کا وسیلہ بناتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کی تعداد پندرہ سے زائد تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم لکھا کرتے تھے، کچھ کاتب خطوط نویسی کیلئے مخصوص تھے۔ جو دور دراز علاقوں اور بادشاہوں کو دعوت اسلام دینے کیلئے لکھے جاتے تھے، کچھ کاتب دوسرے معاملات لکھنے کیلئے مقرر تھے جن کی تفصیل اپنے عہد کے علامہ عبدالحی کتانی کی کتاب "التراتیب الاداریۃ" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتابت کرنے والے حضرات میں خلفائے اربعہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور ان حضرات کے علاوہ زید بن ثابتؓ، اُبی بن کعبؓ، زبیر بن العوامؓ، خالد بن سعیدؓ، اور ان کے بھائی اَبان بن

سعید بن العاصؓ، حنظلہ بن الربیعؓ، معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کو بلاتے اور یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے براہ راست سن کر اس کو لکھتے۔

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو کتابت حدیث کا بھی حکم فرمایا تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی سنتا تھا لکھ لیا کرتا تھا، چاہتا تھا کہ اس کو یاد کرلوں، قریش نے مجھ کو منع کیا اور کہا، کیا ہر بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو لکھ لیتے ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں کبھی غصہ اور کبھی خوشی کی حالت میں بات کرتے ہیں؟ اس کے بعد میں نے لکھنا بند کردیا۔

بعد میں ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، (ہماری بات سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے دہن مبارک کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا تم لکھا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سے حق بات ہی نکلتی ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ نصیب فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے، پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کو مکہ پہنچنے سے روکا، اور اس پر اپنے رسولؐ اور مومنین کو قبضہ دے دیا۔ اب میرے بعد وہ کسی کیلئے حلال نہیں

ہوگا۔اب نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے گا نہ اس کی خاردار جھاڑیوں کو کاٹا جائے گا، نہ یہاں کی گری پڑی چیز کا اٹھانا جائز ہوگا۔مگر اس شخص کے لئے جو اس کا اعلان کرنے والا ہو اور جس کا کوئی آدمی قتل کردیا جائے اس کو اختیار ہوگا کہ چاہے فدیہ لے چاہے قتل کرے، حضرت عباسؓ نے کہا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اذخر (ایک قسم کی گھاس ہے) کی اجازت دے دیجئے اس کو ہم لوگ قبروں اور گھروں میں استعمال کرتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذخر کی اجازت دے دی۔

یہ سن کر ابوشاہ نامی یمن کا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم کو لکھا دیجئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوشاہ کو لکھ کر دے دو۔میں نے اوزاعی سے پوچھا۔راوی کے قول اللہ کے رسول ہمارے لئے لکھوا دیجئے سے کیا مراد تھا؟ فرمایا وہ خطبہ مراد تھا جس کو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوجحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ (یعنی کوئی ایسی لکھی ہوئی چیز جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہو) تو انھوں نے جواب دیا، نہیں! سوائے اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کے یا فہم وفراست جو کسی مسلمان کو حاصل ہوتی ہے، یا پھر جو کچھ اس کتابچہ میں ہے۔(جس میں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث لکھی تھیں)۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا اس کتابچہ میں کیا ہے؟ جواب دیا عقل، اور قیدی کو آزاد کرنا، اور یہ ارشاد کہ کافر کے بدلہ میں مومن کو نہ قتل کیا جائیگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام سے دور دراز علاقوں اور بادشاہوں کو خطوط بھیجے، جس میں سے بعض میں اسلام اور ایمان باللہ کی دعوت تھی۔اور بعض ایسے خطوط تھے جن میں مسلمانوں کے لئے احکام اور اسلامی قوانین لکھے گئے تھے، ان خطوط کی عبارتیں اور ان کے الفاظ کتب سیرۃ، حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خطوط مستقل کتابوں کی شکل میں بھی جمع کئے گئے ہیں، جس میں کچھ تو چھپ چکے ہیں اور عام ہیں انھیں میں سے کتاب "اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین" ہے جن کو ابن طولون دمشقی نے جمع کیا ہے جن کی وفات ۹۵۳ھ میں ہوئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہؓ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا

خارجہ بن زید بن ثابتؓ اپنے والد زید بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ یہود کی کتاب سے کچھ جملے سیکھ کر آپ کو بتاؤں۔ فرمایا کہ مجھے یہود کی طرف سے اپنی کتاب (یعنی خط و کتابت) کے بارے میں اطمینان نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں نصف ماہ بھی نہیں گذرا تھا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کو سیکھ لیا اور جب میں نے اس کو سیکھ لیا تو اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کو خط لکھنا چاہتے تو میں ہی ان کو خط لکھتا۔ اور وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھتے تو ان کا خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں ہی پڑھ کر سناتا۔

(بخاری و ترمذی)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح فرمایا ہے یہ حدیث اعمش نے ثابت

بن عبید سے اور انھوں نے زید بن ثابت سے روایت کی ہے، کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا حدیث سے معلوم ہوا کہ تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کرنے کے لئے دوسری قوموں کی زبان سے کام لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے ثابت ہے اور تعلیم کیلئے یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک انداز تھا۔ اور ہمارے اس دور کی زبانیں جو کائناتی علوم کی کنجی ہیں عجمیوں اور فرنگیوں کے باہم قریب ہو جانے اور دوسری قوموں کے ساتھ ترقی کرنے کیلئے ضروری ہوگئی ہیں یہ زبانیں باہمی تعارف کے لئے جو زندگی گذارنے اور قوموں کے باہم اختلاط کے وقت انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے کنجی کا درجہ رکھتی ہیں نہایت ضروری ہوگئی ہیں، شیخ صفی الدین حلی نے جو کئی زبانیں جانتے تھے چند اشعار میں اس کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

بقدر لغات المرء يكثر نفعه

وتلك له عند المسلمات أعون

فبادر الى حفظ اللغات مسارعاً

فكل لسانٍ في الحقيقة انسان

آدمی جتنی زیادہ زبانیں جانتا ہے اس کا فائدہ بھی اسی کے بقدر عام ہوتا ہے اور یہ زبان دانی تمام مسائل و پریشانیوں کے وقت بہت معاون ہوتی ہے، تم زبانوں کو سیکھنے کی جلد کوشش کرو کہ ہر زبان حقیقتاً انسان ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا
اپنی عملی مثال سے تعلیم دینا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلم واستاذ تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانوں کو اپنے آخری ودائمی دین وشریعت کو سکھانے کے لئے منتخب فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا میں اللہ کے دین سے بڑھ کر اور اس سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا اس کے پھیلانے اور سکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام میں سے سب سے زیادہ افضل نبی ورسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے انداز وطریق تعلیم کے اعتبار سے بھی معلم تھے، علم وآگہی کے اعتبار سے بھی، عمل وقول کے اعتبار سے بھی معلم تھے، اور اپنے تمام اخلاق اور احوال کے اعتبار سے بھی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا کمال بے مثال، اساتذہ کو یہ سبق دیتا ہے کہ آپ ہی کے انداز کو اپنائیں اور آپ ہی کی اعلیٰ روش

پرچلیں۔

معلم کی سب سے ضروری صفت یہ ہونی چاہئے کہ اس کے اندر تمام خوبیاں بدرجہ اتم ہونی چاہئیں۔ عقل، فضل، علم، حکمت، ظاہری سکنات وحرکات، تیزی وصلاحیت، سکون وحرکت، اچھا انداز کلام، اچھی خوشبو، صاف ستھرا لباس، دیکھنے میں دیدہ زیب، بولنے اور انتظامی امور کو انجام دینے میں پیکر حسن۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ تمام صفات پورے حسن وکمال کے ساتھ پائی جاتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں طالب علم اور مسترشد کیلئے ایک مثالی معلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں تعلیم کے مقاصد اپنے مختلف انداز میں نظر آتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ تمام چیزیں اس بات کی طرف متوجہ کرتی ہیں کہ مسلمان اس کلام ربانی (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) کو عملی جامہ پہنانے والا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ ہمہ جہتی اور جامع کمال، تمام طریقوں میں مقصود اصل ہے اور تعلیم وتربیت کا حاصل ہے جس کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زبردست اور بے مثال تعریف کا مژدہ، اللہ تعالیٰ کے اس قول میں سنایا گیا ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾

اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں۔

یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سیرت کو تعلیم کے طریقوں میں نہ شمار کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس معلم نے انسانیت پر اثر ڈالا ہے اور اس کے دین وشریعت کو رنگ وزبان کے اختلاف کے

باوجود قبول لیا ہے اور اس کو اپنی زندگی کے تمام حالات ومعاملات میں آئیڈیل ونمونہ بنایا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس مختصر سی کتاب میں موقع ومناسبت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تعلیم وتربیت کے یہ کچھ نمونے پیش کئے گئے ورنہ کتب احادیث میں اس کے اور بہت سے نمونے موجود ہیں۔

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com